ماہنامہ

اشراق

لاہور

اپریل ۲۰۲۱ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

”...انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون وچرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔“

—— شذرات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۳۳ شمارہ ۴ اپریل ۲۰۲۱ء رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

فہرست

شذرات
روزہ — جاوید احمد غامدی — ۴
سنت کا ثبوت: جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ (۱) — سید منظور الحسن — ۷
قرآنیات
البیان: النمل ۲۷: ۱۵-۴۴ (۲) — جاوید احمد غامدی — ۱۱
معارف نبوی
عذاب قبر (۵) — جاوید احمد غامدی / ڈاکٹر محمد عامر گزدر — ۲۵
یتیم پوتی کی وراثت — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — ۳۹
مقالات
البیان: خصائص و امتیازات (۴) — رضوان اللہ — ۴۳
نقطۂ نظر
خدا کی رحمت اور عدل: ایک حقیقت کے دو نام — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۵۲
نقد و نظر
ہندو مذہبی صحائف میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں: ایک تنقیدی جائزہ — مشفق سلطان — ۶۵
سیر و سوانح
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (۳) — محمد وسیم اختر مفتی — ۷۱
اصلاح و دعوت
ایمان کا مرحلہ — محمد تہامی بشر علوی — ۸۱

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

جاوید احمد غامدی

روزہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے ’صوم‘ کا لفظ آتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون وچرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

اللہ کی عظمت و جلالت اور اُس کی بزرگی اور کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اُس کی شکر گزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اِسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکر گزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اِس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے جو ہدایت اِس مہینے میں تمھیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے لیے

واضح اور قطعی حجتیں ہیں، اُس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اُس کے شکرگزار بنو۔

اِس کا منتہاے کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر مزید کچھ پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے 'اعتکاف' کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے جو خاص کیفیت اِس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس سے روزے کا اصلی مقصود درجۂ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اُسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اِس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روزے کا مقصد

اِس کا مقصد قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا کا تقویٰ اختیار کر لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات سے ڈرتا رہے کہ اُس نے اگر کبھی اِن حدود کو توڑا تو اِس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اُس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے کا قانون

اِس کا قانون درج ذیل ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ تعلق سے اجتناب ہی روزہ ہے۔

یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہٰذا روزے کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے پاس جانا بالکل جائز ہے۔

روزوں کے لیے رمضان کا مہینا خاص کیا گیا ہے، اِس لیے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُس پر فرض ہے کہ اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ کر اُس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے۔

حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ تاہم اِس طرح چھوڑے ہوئے روزے بھی بعد میں لازماً پورے کیے جائیں گے۔

روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔

آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔

(الاسلام ۱۰۳-۱۰۶)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سید منظور الحسن

سنت کا ثبوت

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ

(۱)

سنت کے ثبوت کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کے موقف پر بعض ناقدین کی طرف سے بالعموم دو اعتراض کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ غامدی صاحب معیار ثبوت میں فرق کی بنا پر حکم کی نوعیت اور اہمیت میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں، جب کہ ذریعے کی بنیاد پر کسی چیز کے دین ہونے یا نہ ہونے میں فرق کرنا درست نہیں ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ اُن کے نزدیک سنت کے ثبوت کا معیار اخبار آحاد نہیں، بلکہ تواتر عملی ہے، حالاں کہ تواتر کا ثبوت بذات خود اخبار آحاد کا محتاج ہے۔

ان اعتراضات کی تفصیل اور ان پر ہمارا تبصرہ درج ذیل ہے:

معیار ثبوت کی بنا پر فرق

پہلے اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ غامدی صاحب معیار ثبوت میں فرق کی بنا پر حکم کی نوعیت اور اہمیت میں فرق کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ تواتر کے ذریعے سے ملنے والے احکام کو ایک درجہ دیتے ہیں اور آحاد کے ذریعے سے ملنے والے احکام کو دوسرا درجہ دیتے ہیں۔ یہ تفریق درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تواتر، دین کے نقل کا ذریعہ ہے اور ذریعے کی بنیاد پر کسی چیز کے دین ہونے یا نہ ہونے میں فرق کرنا درست نہیں ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والا ہر حکم دین تھا۔ بعد میں کسی حکم کو لوگوں نے تواتر سے نقل کیا اور کسی کو اخبار آحاد سے۔ ذریعے کو فیصلہ کن حیثیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسے شارع پر مقدم مان لیا جائے۔ بہ الفاظ دیگر غامدی صاحب نے تواتر کی شرط عائد کر کے لوگوں کو دین کے شارع کی حیثیت

دے دی ہے۔

اس اعتراض سے نہ صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ استاذ گرامی کے موقف کے سوء فہم پر مبنی ہے، بلکہ یہ تاثر بھی ہوتا ہے کہ یہ ان مسلمات سے صرف نظر کرتے ہوئے کیا گیا ہے جو انتقال علم کے ذرائع کے بارے میں بدیہیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غامدی صاحب کے نزدیک اجماع و تواتر کی شرط کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فریضۂ منصبی کے لحاظ سے اس پر مامور تھے کہ وہ اللہ کا دین پورے اہتمام، پوری حفاظت اور پوری قطعیت کے ساتھ اور بے کم و کاست لوگوں تک پہنچائیں۔ علماے امت بھی اس امر پر متفق ہیں کہ دین کو مکمل اور بغیر کسی کمی یا زیادتی کے انسانوں تک پہنچانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منصبی ذمہ داری تھی۔

امام سرخسی نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے اس پر مامور تھے کہ لوگوں کے لیے دین کے احکام کو واضح کریں:

أن صاحب الشرع كان مأمورًا بأن يبين للناس ما يحتاجون إليه. (اصول السرخسی ۱/۳۷۸)

”شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کے لیے حاجت طلب احکام کو واضح فرمائیں۔“

شاہ ولی اللہ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں بعثت انبیا کی ضرورت کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ نبی کی لازمی ذمہ داری ہے کہ خدا کے جس پیغام کو وہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہوا ہے، اسے وہ بے کم و کاست لوگوں تک پہنچا دے۔ اس ضمن میں اس کی طرف سے کوئی کمی یا کوتاہی نہیں ہونی چاہیے:

ثم لا بد لهذا العالم أن يثبت على رؤوس الأشهاد أنه عالم بالسنة الراشدة، وأنه معصوم فيما يقوله من الخطأ والإضلال، ومن أن يدرك حصة من الإصلاح، ويترك حصة أخرى لا بد منها. (۱/۱۹۱)

”پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جو فرد کامل اس عظیم الشان مقصد کو انجام دینے کے لیے چنا گیا ہے، وہ کھلے طور پر تمام لوگوں کے سامنے کسی طرح یہ ثابت کر دے کہ درحقیقت یہ وہی جلیل القدر ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے چن لیا ہے اور سب لوگ یقین کر لیں کہ اس کو باری تعالیٰ نے سنت راشدہ کا پورا علم عنایت فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کو پہنچانے میں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شیطان کے تصرف اور دراندازی سے محفوظ ہے۔ (اس کا کلام 'وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی. اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی' کا زندہ ثبوت ہے اور وہ خداے پاک کی نازل کردہ ہدایات کو مکمل طور پر لوگوں تک پہنچاتا ہے) یا بہ الفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہیں کہ تبلیغ میں وہ کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا کہ حق تعالیٰ کی بتائی ہوئی بعض باتیں ان کو پہنچا دے اور بعض کو چھپائے رکھے۔"

شاہ صاحب نے مزید بیان کیا ہے کہ نبی کا فریضہ نہ صرف دین کو بے کم و کاست اور پوری طرح پہنچانا ہے، بلکہ ان کے حقوق و فرائض کی اس حد تک تعیین کر دینا بھی ہے کہ اس کے نتیجے میں اعمال کے حدود اور ان کی کم سے کم مقداروں کے تعین میں کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ ان کے نزدیک یہ تعیین پیغمبر کا منصبی فریضہ ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو یہ خلاف شریعت ہے:

يجب عند سياسة الأمة أن يجعل لكل شيئ من الطاعات حدان: أعلى وأدنى فالأعلى هو ما يكون مفضيًا إلى المقصود منه على الوجه الأتم، والأدنى هو ما يكون مفضيًا إلى جملة من المقصود ليس بعدها شيئ يعتد به. وذالک لأنه لا سبيل إلى أن يطلب منهم الشيئ، ولا يبين لهم أجزاءه وصورته ومقدار المطلوب منه، فإنه ينافي موضوع الشرع.

(حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۱۸-۲۱۹)

"جب کوئی نبی اپنی امت کی سیاست دینیہ میں مشغول ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر ان کے لیے فرائض اور حقوق کی تعیین کرنے پر متوجہ ہوتا ہے تو ہر ایک طاعت کے لیے اعلیٰ اور ادنیٰ دو قسم کے حدود متعین کرتا ہے۔ "اعلیٰ" سے مراد کسی طاعت کی وہ مقدار ہے جس سے اس طاعت کا مقصد کامل ترین وجہ پر حاصل ہو جائے۔ برخلاف اس کے "ادنیٰ" طاعت مذکورہ کی کم از کم مقدار ہے جو فی الجملہ مقصد اور غایت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، لیکن اس میں مزید کمی کی مطلق گنجایش نہیں ہوتی۔ یہ حدود اور مقادیر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وہ اس لیے معین کرتا ہے کہ یہ ہرگز اس کے منصب نبوت کے شایان شان نہیں ہے کہ جن اعمال کی بجاآوری کا وہ اپنی امت سے مطالبہ کرتا ہے یا ان کی بجاآوری کی ترغیب و تحریص دلاتا ہے، ان کے حدود کی تعیین نہ کرے اور نہ ہی ان کا طریق ادا اور ان کے اجزا و ارکان ان کو بتائے۔ اگر وہ بالفرض ایسا کرے تو یہ موضوع شریعت کے خلاف ہوگا۔“

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل علم کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین کو بے کم و کاست اور پوری قطعیت کے ساتھ امت کو پہنچانے کے مکلف تھے۔ یہی مقدمہ ہے جس کی بنا پر اکابر اہل علم کے ہاں دو باتیں اصولی طور پر ہمیشہ مسلم رہی ہیں:

ایک یہ کہ دین کا اصل اور بنیادی حصہ، جس کا جاننا اور جس پر عمل پیرا ہونا تمام امت کے لیے واجب ہے، تواتر اور تعامل ہی سے نقل ہوا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی چیز جو اس سے کم تر معیار پر ثابت ہو، اسے اصل دین کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

دوسری یہ کہ اخبار آحاد میں مجمع علیہ سنت کے فروع اور جزئیات ہی ہو سکتے ہیں جن کے ثبوت میں بھی بحث ہو سکتی ہے، بلکہ فقہا کے مابین بہ کثرت ہوئی ہے، اور جن کا جاننا ہر مسلمان کے لیے لازم بھی نہیں ہے۔

ان دو مسلمات کے حوالے سے جلیل القدر علما کی آرا درج ذیل ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اشراق

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ النمل

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَقَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی
کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِہِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵﴾

اِس کے برخلاف ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم[۲۰] عطا فرمایا تھا، (مگر وہ ہمارے حضور میں جھکتے ہی چلے گئے) اور اُنھوں نے کہا: شکر ہے اللہ کے لیے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے[۲۱]۔ ۱۵

۲۰۔ اِس سے مراد وہ حکمت و معرفت بھی ہے جو براہ راست اُنھیں عطا ہوئی اور نفس اور مادہ میں تصرفات کا وہ علم بھی جو اُن کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بعض لوگوں کو عطا کیا گیا جس کا ذکر آگے ہوا ہے۔ یہی دوسرا علم ہے جس کی بدولت وہ اُس زمانے کی سب سے عظیم اور سب سے زیادہ طاقت ور سلطنت قائم کر دینے میں کامیاب ہوئے تھے۔

۲۱۔ یعنی فرعون اور اُس کے اعیان و اکابر کی طرح نہ اپنی برتری کے زعم میں مبتلا ہوئے، نہ ظلم اور گھمنڈ اختیار کیا، بلکہ اُس عزت و فضیلت پر سراپا شکر و سپاس ہو کر جیے جو اُنھیں خدا کے باایمان بندوں میں حاصل ہوئی۔

وَوَرِثَ سُلَيۡمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّيۡرِ وَاُوۡتِيۡنَا مِنۡ

اور داؤد کا وارث سلیمان ہوا[22] اور اُس نے بھی کہا: لوگو، ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے[23] اور

آیت میں خاص طور پر باایمان بندوں میں عزت و فضیلت کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ اصل عزت و فضیلت ایمان ہی کی عزت و فضیلت ہے۔

۲۲۔ داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے پیغمبر اور بادشاہ تھے۔ اُن کے بیٹے حضرت سلیمان اِسی حیثیت سے اُن کے وارث ہوئے۔ اُن کی سلطنت فلسطین اور شرق اردن سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت سلیمان کا زمانۂ سلطنت ۹۶۵ ق م سے لے کر ۹۲۶ ق م تک ہے۔

۲۳۔ بنی اسرائیل کی روایات میں بھی اِس کا ذکر ہوا ہے کہ حضرت سلیمان کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسری بہت سی قوتیں دی تھیں، وہاں پرندوں کی بولی کا بھی خاص علم عطا فرمایا تھا اور اپنے اِس علم کی بنا پر وہ اُن کی تربیت کر کے اپنی فوج میں اُن سے نامہ بری، خبر رسانی اور سراغ رسانی وغیرہ کے کام لیتے تھے۔ اِس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ پرندوں کے اندر بھی کسی نہ کسی درجے میں نطق و ادراک کی صلاحیت ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... اگر ہم اُن کے نطق کو نہیں سمجھتے تو ہمارا نہ سمجھنا اُس کی نفی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآن میں صاف تصریح ہے کہ کائنات کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے، لیکن ہم اُس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ اِسی طرح قرآن میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جتنے بھی چرند پرند ہیں، سب ہماری ہی طرح الگ الگ امتیں ہیں... حضرت سلیمان کو تو پرندوں کی بولی کا خاص علم عطا ہوا تھا، جن کو یہ علم نہیں ملا ہے، وہ بھی یہ جانتے ہیں کہ جتنے بھی حیوانات ہیں، سب اپنی نفرت، محبت، عتاب، التفات، خوشی، غم، فکرمندی، طمانیت، استمالت، ملاعبت اور اپنے دوسرے جذبات کی تعبیر کے لیے الگ الگ بولیاں بھی اختیار کرتے ہیں اور اُن کے اظہار کے لیے اُن کی ادائیں اور حرکتیں بھی الگ الگ ہوتی ہیں۔ جو لوگ کسی مقصد خاص کے لیے اِن جانوروں کی تربیت کرتے ہیں، وہ اِن کی آوازوں اور اشارات کو اُسی طرح سمجھتے ہیں، جس طرح اپنے ہم جنسوں کی بولی اور اُن کے اشارات کو سمجھتے ہیں۔ پھر اِن سے بھی زیادہ اُن لوگوں کا علم ہے جنھوں نے سائنٹیفک طریقے پر اِن حیوانات کا تجربہ و مشاہدہ کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے علمی تجربہ و مشاہدہ سے جو معلومات فراہم کی ہیں، اُن کو پڑھیے تو انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ بڑے جانور تو درکنار ننھی سی چیونٹی کے اندر بھی قدرت نے جو دانش و بینش، جو زیرکی و ہوشیاری اور جو فہم و فراست ودیعت فرمائی ہے، وہ ایسی ہے کہ اُس سے انسان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ آج کتوں سے

كُلِّ شَيْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾
وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾
حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ
لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ

دوسری ہر طرح کی چیزیں بھی دی گئی ہیں۔ بے شک، یہ خدا کا کھلا ہوا فضل ہے۔۱۶

(چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ) جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے سلیمان کے سارے لشکر اُس کے ملاحظے کے لیے جمع کیے گئے[۲۴] اِس لیے کہ اُن کی درجہ بندی کی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ (مارچ کرتے ہوئے) جب وہ چیونٹیوں کی وادی[۲۵] میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو، اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمان اور اُس کے لشکر تمھیں کچل نہ ڈالیں اور اُنھیں اِس کا احساس بھی نہ ہو[۲۶]۔

سراغ رسانی اور جاسوسی کے سلسلے میں جو کام لیے جا رہے ہیں، کیا وہ کم حیرت انگیز ہیں! جب انسان اپنے تجربات اور اپنی تجرباتی سائنس کے ذریعے سے جانوروں کے اتنے اسرار دریافت کر سکتا ہے اور اُن سے یہ کچھ کام لے سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اگر حضرت سلیمان کو پرندوں کی بولی کا خاص علم دے دیا تو اِس میں تعجب کی کیا بات ہے! یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ بولی درحقیقت آوازوں ہی کی ترکیب وتالیف سے وجود میں آتی ہے۔ جو چیزیں ادراک و شعور اور جذبات رکھتی ہیں، وہ اپنے ادراک و شعور اور جذبات کی تعبیر کے لیے مختلف قسم کی آوازیں نکالتی ہیں اور اُنھی کی تالیف وترکیب سے بولی وجود میں آتی ہے۔ اشارات بھی اِسی میں داخل ہیں، اُن کو غیر ناطق زبان سمجھیے۔'' (تدبر قرآن ۵/۵۹۲)

۲۴۔ اِس جملے میں ایک مضاف عربیت کے قاعدے سے محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

۲۵۔ یعنی جس میں چیونٹیاں بہت تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ چیونٹیوں کی اِسی کثرت کے باعث اُسے وادی النمل کہا جاتا ہو۔ اِس وادی کا یہ قصہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

۲۶۔ بعض چیونٹیاں آواز بھی نکالتی ہیں۔ آیت سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ غالباً اِسی قسم کی چیونٹیاں تھیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

قَوۡلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

(سلیمان نے یہ سنا) تو اُس کی بات سے خوش ہو کر وہ مسکرایا[27] اور بولا: اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیرے فضل کا شکر گزار رہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر فرمایا ہے

"چیونٹیوں کے متعلق سائنس نے جو حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں، اُس سے قطع نظر ایک عام آدمی بھی اگر اُن کے کسی بڑے دَل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے دیکھے تو اُن کے عسکری نظام اور فوجی ڈسپلن کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ پوری فوج ایک قائد کی قیادت میں مارچ کر رہی ہے۔ دَل کے دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے سے اُن کے رضاکاروں اور اسکاؤٹوں کی لائن ہوتی ہے جو اپنے معین حدود کے اندر برابر تگ ودو میں مصروف رہتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ وہ نگرانی کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ جوں ہی اُن کو کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے، وہ اپنے حدود کے اندر اُس سے دَل کو آگاہ کرتے ہیں اور دَل اپنے آپ کو اس سے بچانے کی تدبیر اختیار کرتا ہے۔ وہ منظر اُن کا خاص طور پر دیدنی ہوتا ہے، جب اُن کا کوئی قبیلہ مستقل طور پر ایک مقام سے دوسرے مقام کے لیے اپنے تمام غذائی ذخائر اور اپنے تمام اولاد و احفاد کے ساتھ ہجرت کرتا ہے۔ میں نے بعض مرتبہ اُن کی اِس مہاجرت کا غور سے مشاہدہ کیا ہے۔ اگر میں اِن مشاہدات کو قلم بند کروں تو ایک طویل داستان بن جائے۔

چیونٹیوں کے یہ کارنامے تو ہما وشما کو بھی نظر آتے ہیں، لیکن سائنس دانوں نے اُن کے جن عجائب کا انکشاف کیا ہے، اُن کے بعد تو اِس امر میں کسی شبہے کی گنجایش ہی باقی نہیں رہ گئی ہے کہ وہ بھی، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے، ہماری ہی طرح امتیں ہیں۔ اُن کی بعض قسمیں ہماری ہی طرح بعض جانوروں کو پالتی ہیں اور اُن کو اپنے اغراض و ضروریات کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ یہ اپنے لیے کھیت بناتی اور اُن میں بیج بوتی ہیں اور جب فصل تیار ہوتی ہے تو دِرَو کے بعد اُس کو تہ خانوں میں محفوظ کر دیتی ہیں۔ اِن کی باقاعدہ فوج بھی ہوتی ہے جو مخصوص افسروں کی کمان میں دشمن پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اِن کے ہاں تربیت اور ٹریننگ کا باقاعدہ نظام ہے۔ غرض وہ ساری خصوصیات اُن کے اندر بھی پائی جاتی ہیں جو انسانوں کے اندر پائی جاتی ہیں، بس صرف شکل و صورت اور درجہ و مرتبہ کا فرق ہے۔" (تدبر قرآن ۵/ ۵۹۴)

۲۷۔ اصل الفاظ ہیں: 'فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا'۔ اِن میں 'ضِحۡك' خوشی اور ابتہاج و سرور کے مفہوم میں ہے اور عربی زبان میں یہ اِس مفہوم میں آتا ہے۔

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾
وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ز اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾
لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ
غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ

اور ایسے اچھے کام کروں جو تجھے پسند ہوں اور اپنی رحمت سے، (اے پروردگار)، تو مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کرلے[28]۔ ۱۷-۱۹

(اِسی موقع پر) سلیمان نے اپنے لشکر کے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہا: کیا بات ہے، میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ وہ موجود ہے[29] یا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح ہی کر ڈالوں گا یا (اپنی اِس غیر حاضری کے لیے) وہ میرے سامنے کوئی واضح عذر پیش کرے گا[30]۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری کہ ہدہد آگیا اور اُس نے عرض کیا: مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے[31]۔ میں سبا (کے ملک[32]) سے ایک یقینی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۲۸۔ خدا کی عظیم اور بے مثال نعمتوں پر شکر گزاری کا یہی رویہ ہے جس کو نمایاں کرنے کے لیے حضرت سلیمان کی زندگی کے یہ واقعات قریش مکہ کو سنائے جا رہے ہیں۔

۲۹۔ یہ فقرہ عربیت کے اسلوب پر اصل میں بربنائے قرینہ محذوف ہے۔

۳۰۔ ہدہد کی غیر حاضری پر حضرت سلیمان کے عتاب کا یہ انداز بتا رہا ہے کہ اُن کی فوج کے پرندے بھی نظم وضبط کے پوری طرح پابند تھے اور کسی خلاف ورزی کی صورت میں اُنھیں فوجی ضوابط کے تحت سزا بھی بھگتنی پڑتی تھی۔

۳۱۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دیر سے پہنچا ہوں، لیکن یہ دیر کام ہی کے سلسلے میں ہوئی ہے۔ چنانچہ سبا کے بارے میں آپ جو کچھ جانتے ہیں، میں اُس سے آگے کچھ ایسی معلومات حاصل کر کے آیا ہوں جو بالکل تازہ ہیں۔

۳۲۔ سبا قدیم زمانے کی ایک دولت مند قوم تھی۔ اُسی کے نام پر یمن کے جنوب مغربی علاقے کو بھی اُس زمانے میں سبا کہا جاتا تھا۔ اُس کا دارالحکومت مارب تھا جس کے کھنڈر آج بھی اِس علاقے میں موجود ہیں۔ قوم سبا

وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾
اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ
مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ السجدة

دیکھا کہ ایک عورت اُن پر حکمرانی کر رہی ہے، اُسے ہر طرح کا ساز و سامان میسر ہے اور اُس کا بہت بڑا تخت بھی ہے[٣٣]۔ میں نے اُس کو اور اُس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال خوش نما بنا دیے ہیں اور اُنھیں صحیح راہ سے روک دیا ہے، سو راستہ نہیں پا رہے ہیں۔ ٢٠-٢٤

(یقیناً شیطان ہی نے روک دیا ہے)[٣٤] کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں جو زمین اور آسمانوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے[٣٥] اور جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔ اللہ کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ ٢٥-٢٦

کا زمانہ ١١٠٠ ق م سے لے کر ١١٥ ق م تک ہے۔ اِس کے بعد جنوبی عرب کی ایک دوسری مشہور قوم حمیر نے اِن کی جگہ لے لی۔

٣٣۔ قدیم زمانے میں بھی ملکوں کی حکمرانی زیادہ تر مردوں ہی کے پاس رہی ہے، اِس لیے ہدہد کا انداز کلام ایسا ہے کہ گویا اُس کے لیے یہ تعجب کی بات ہے۔ تخت کی عظمت کا ذکر بھی اِسی انداز سے ہوا ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہوں کی عظمت و جلالت اُن کے تخت و تاج میں لگے ہوئے زر و جواہر اور سونے چاندی ہی سے ناپی جاتی تھی۔

٣٤۔ یہاں سے آگے تضمین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد کی بات کے ساتھ اپنی بات کو ملا کر اُسے مطابق حال کر دیا ہے۔ اِس کی متعدد مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ استاذ امام کے الفاظ میں، 'مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ' کے صیغہ ہاے خطاب ہدہد کی زبان سے بالکل ناموزوں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے۔

٣٥۔ یعنی آسمان میں سورج، چاند، ستارے اور زمین میں درخت، نباتات، دریا، سمندر اور چشمے وغیرہ جو پیدایش سے پہلے نہ معلوم کہاں چھپے ہوئے تھے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا
فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾
قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ
وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

سلیمان نے کہا: ہم ابھی دیکھے لیتے ہیں کہ تم سچے ہو یا جھوٹ بول رہے ہو۔ میرا یہ خط لے کر جاؤ اور اِسے اُن کی طرف ڈال دو، پھر اُن سے الگ ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ وہ کیا ردعمل ظاہر کرتے ہیں[٣٦]؟ ٢٧-٢٨

(ملکہ کو خط ملا تو) اُس نے درباریوں سے کہا: اے اہل دربار، ایک گرامی نامہ میرے پاس ڈالا گیا ہے[٣٧]۔ یہ سلیمان کی طرف سے ہے[٣٨] اور یہ اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے ہے[٣٩]۔ اِس میں لکھا ہے کہ

٣٦۔ مطلب یہ ہے کہ خط ڈال کر فوراً واپس نہ آجانا، بلکہ یہ دیکھنے کی کوشش بھی کرنا کہ اِس خط کو پا کر وہ لوگ کیا کہتے ہیں؟

٣٧۔ اصل میں ’كِتٰبٌ كَرِيْمٌ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِس کے صاف معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان کی عظمت و جلالت سے وہ لوگ پوری طرح واقف تھے۔ نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ ملکہ اور اُس کے درباریوں کو خط کے ایک پرندے کے ذریعے سے ڈالے جانے پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں نامہ بری کا یہ طریقہ معلوم و معروف تھا۔

٣٨۔ یہ سلیمان علیہ السلام کے خط ہی کا پہلا جملہ ہے۔ قدیم زمانے میں سلاطین و امرا کے خطوط و فرامین اِسی طریقے سے مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع ہوتے تھے۔

٣٩۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے ہاں بھی خطوں کی ابتدا ’بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ‘ کے ہم معنی کلمات ہی سے کی جاتی تھی۔ ملکہ نے خط کے اِس سرنامے کا حوالہ غالباً اِس لیے دیا ہے کہ خط جس ہستی کی طرف سے آیا ہے، درباری کوئی رائے قائم کرتے ہوئے، اُس کے بارے میں متنبہ رہیں کہ وہ کوئی عام بادشاہ نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾
قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۵ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا

تم میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرو اور فرماں بردار ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ[۴۰]۔ ملکہ نے کہا: اے اہل دربار، میرے اِس معاملے میں مجھے راے دو۔ (تمھیں معلوم ہے کہ) میں کسی معاملے کا فیصلہ نہیں کرتی، جب تک تم لوگ میرے حضور میں موجود نہ ہو[۴۱]۔ ۲۹-۳۲

اُنھوں نے جواب دیا: ہم طاقت ور بھی ہیں اور اعلیٰ جنگی صلاحیت رکھنے والے بھی ہیں۔ آگے فیصلہ

۴۰۔ سورۂ مائدہ (۵) کی تفسیر میں آیت ۲۱ کے تحت بیان ہو چکا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ ہی فلسطین کا علاقہ بھی جزیرہ نماے عرب کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی دعوت کے لیے خاص کر لیا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ اِس علاقے کو اِس کے باشندوں سے خالی کرا لیں، اِسے توحید کا مرکز بنائیں اور اِس میں کسی کافر و مشرک کو زندہ نہ چھوڑیں اور اِس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت بھی قائم نہ رہنے دیں، الّا یہ کہ وہ اُن کے باج گزار بن جائیں۔ استثنا کے باب ۲۰ میں یہ حکم پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو یہ الٹی میٹم اِسی حکم کے تحت دیا ہے۔ یہ ایک خدائی فیصلہ تھا جو ایک خاص علاقے میں اور پیغمبروں کی وساطت سے نافذ کیا گیا جن کی حکومت براہ راست خدا کی حکومت ہوتی ہے۔ اِس کا عام مسلمانوں اور اُن کے کسی ملک یا اُس کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ جن اہل علم نے اِس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہر اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ غیر مسلموں کو دنیا میں کسی جگہ اقتدار پر متمکن نہ رہنے دے، اُن کی راے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔*

۴۱۔ یہ دل جوئی اور استمالت کا جملہ ہے۔ اِس سے مقصود یہ ہے کہ ملکہ اگر اُن سے اختلاف بھی کرے تو اُسے وہ استبداد پر محمول نہ کریں، بلکہ ملک و قوم کی خیر خواہی کے جذبے سے اُس پر غور کریں۔ اِس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اُس کی حکومت ایک جمہوری حکومت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شخصی حکومتیں بھی، اگر وہ بالکل بر خود غلط لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہوں تو اپنے اعیان و اکابر کے مشورے ہی سے فیصلے کرتی ہیں۔

---

* اِس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب ''مقامات'' میں مضمون: ''خدا کے فیصلے''۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾
قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾
فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِ َۦ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ
بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ
بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سو دیکھ لیجیے کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں[۴۲]۔ ۳۳

ملکہ نے کہا: بادشاہ لوگ جب کسی بستی (کو فتح کر کے اُس) میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو درہم برہم اور اُس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی یہی کریں گے۔ (میری راے ہے کہ) میں اپنی سفارت اُن کی طرف ہدیے کے ساتھ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ میرے سفیر کیا جواب لاتے ہیں[۴۳]۔ ۳۴-۳۵

پھر جب ملکہ کی سفارت سلیمان کے پاس پہنچی تو (اُن کے ہدیے دیکھ کر) سلیمان نے کہا: کیا تم لوگ مجھے یہ مال پیش کرنا چاہتے ہو! سو جو کچھ اللہ نے مجھے دے رکھا ہے، وہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو اُس نے تمھیں دیا ہے۔ نہیں، بلکہ یہ تمھی لوگ ہو کہ اپنے ہدیوں سے خوش ہوتے ہو۔ تم اپنے بھیجنے والوں کے پاس واپس جاؤ، اب ہم اُن پر ضرور ایسے لشکر لے کر آئیں گے کہ وہ اُن کے مقابلے کی تاب نہ لا سکیں گے اور ہم اُنھیں وہاں سے اِس طرح ذلیل کر کے نکال دیں گے کہ وہ خوار ہو کر رہ جائیں

۴۲۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کا رجحان لڑنے ہی کی طرف تھا جو اُنھوں نے نہایت شایستہ طریقے سے ظاہر کر دیا ہے۔

۴۳۔ یعنی اِس سے معلوم ہو جائے گا کہ 'وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ' کا جو مطالبہ حضرت سلیمان کی طرف سے کیا گیا ہے، اُس سے کچھ کم پر بھی معاملہ ہو سکتا ہے یا بالآخر وہی بات ماننا پڑے گی۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾
قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ
لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

گے[۴۴]۔۳۶-۳۷

(سلیمان کو اندازہ تھا کہ اب وہ آہی جائیں گے۔ چنانچہ) اُس نے کہا: اے اہل دربار، تم میں سے کون اُس کا تخت میرے پاس لاتا ہے، اِس سے پہلے کہ وہ لوگ مطیع و فرماں بردار ہو کر میرے پاس حاضر ہو جائیں[۴۵]؟ جنوں میں سے ایک دیو نے عرض کیا: میں اُس کو آپ کے پاس آپ کی اِس مجلس سے آپ کے اٹھنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ میں اِس پر قدرت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں[۴۶]۔ ایک شخص جس کے پاس قانون خداوندی کا علم تھا[۴۷]، (اِس پر جوش میں آگیا اور) اُس نے کہا: میں آپ کی

۴۴۔ مطلب یہ ہے کہ اِس طرح کے تحائف و ہدایا تم لوگوں کو خوش کر سکتے ہیں، لیکن میں اِن کا متمنی نہیں ہوں۔ میرے الٹی میٹم کے پیچھے ایک اصولی فیصلہ ہے اور میں ہر حال میں اُس کو نافذ کروں گا۔

۴۵۔ حضرت سلیمان کو اندازہ تھا کہ سفیروں کو واپس کر دینے کے بعد وہ لوگ سر تسلیم خم کر دیں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے ارادہ فرمایا کہ اُن کے آنے پر وہ اُس غیر معمولی قوت اور علم حق کی سطوت کا مظاہرہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا کر رکھا تھا اور اُن کو اپنے پیچھے خدا کی طاقت کا مشاہدہ کرا دیں۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ وہ محض تسلیم و انقیاد نہیں، اِس کے ساتھ اُن کے ایمان و اسلام کے بھی خواہاں تھے۔

۴۶۔ مطلب یہ ہے کہ حضور مطمئن رہیں، میں اُس میں کوئی تصرف نہیں کروں گا۔

۴۷۔ یعنی کائنات میں کارفرما خدا کے قانون کا علم۔ یہ غالباً اُسی نوعیت کا کوئی علم تھا جو ہاروت و ماروت کے ذریعے سے دیا گیا۔ اِس کی وضاحت ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آیت ۱۰۲ کے تحت کر چکے ہیں۔ دور حاضر کے سائنس دان مادے میں کارفرما قوانین کو دریافت کر کے جس طرح کے کرشمے دکھا رہے ہیں، زمانۂ قدیم میں اِسی طرح کے کرشمے نفسی علوم کے ماہرین نفس میں کارفرما قوانین کے ذریعے سے دکھاتے رہے ہیں۔ ہندو، بدھ، مسیحی اور مسلمان صوفیا کے تذکروں میں اِس کے واقعات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اِس پر کم سے کم اِس زمانے

يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ۫ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا

پلک جھپکنے سے پہلے اُس کو آپ کے پاس لائے دیتا ہوں۔ پھر جب سلیمان نے اُس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکرگزار ہوتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں[۴۸]۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو یہ بھی اُسی کا نقصان ہے، اِس لیے کہ میرا پروردگار بے نیاز ہے اور وہ بڑا کرم فرمانے والا بھی ہے[۴۹]۔ ۳۸-۴۰

سلیمان نے حکم دیا کہ اُس کو جانچنے کے لیے اُس کے تخت کی صورت بدل دو، دیکھیں وہ پہچانتی ہے یا اُنھی لوگوں میں سے ہو کے رہ جاتی ہے جو (اِس تبدیلی کے بعد اُسے) پہچان نہ پائیں[۵۰]۔ سو جب وہ

کے لوگوں کو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے جس کے سائنس دان ہزاروں لاکھوں میل کے فاصلے سے زندہ انسانوں کی آواز، تصویریں اور نقل و حرکت چشم زدن میں اُسی طرح اٹھالاتے ہیں، جس طرح حضرت سلیمان کے دربار کا یہ شخص ملکۂ بلقیس کا تخت اٹھالایا تھا۔

۴۸۔ یہ وہ اصل مدعا ہے جس کے لیے قرآن نے یہ واقعہ سنایا ہے کہ اِس غیر معمولی قوت اور کمال علم کے باوجود سلیمان علیہ السلام کے اندر فخر و غرور کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوا، بلکہ وہ مزید جھکتے چلے گئے۔

۴۹۔ چنانچہ وہ رحیم و کریم اُن لوگوں کو بھی محروم نہیں کرتا جو اُس کے خلاف آمادۂ بغاوت رہتے ہیں۔

۵۰۔ یہ تبدیلی کیوں کی گئی؟ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہ ایک قسم کا تفنن تھا جس کے لیے اُنھوں نے اپنے آدمیوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ تخت کی ہیئت میں

الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

آگئی تو پوچھا گیا: کیا تمھارا تخت ایسا ہی ہے؟ اُس نے کہا: گویا کہ وہی ہے۔ آپ کے یہ کمالات ہم اِس سے پہلے ہی جان گئے تھے اور ہم نے سر اطاعت جھکا دیا تھا[۵۱]۔ حقیقت یہ ہے کہ (وہ مان چکی ہوتی، مگر) اُسے اُن چیزوں نے روک رکھا تھا جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ اِس لیے کہ وہ ایک منکر قوم سے تھی[۵۲]۔ ۴۱-۴۳

فی الجملہ تبدیلی کر دی جائے تاکہ ملکہ صاحبہ کے لیے اُن کا اپنا تخت ایک پہیلی بن جائے اور ہم دیکھیں کہ یہ پہیلی بوجھنے میں وہ کامیاب ہوتی ہیں یا ناکام رہ جاتی ہیں۔'' (تدبر قرآن ۵/۶۰۵)

۵۱۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کے کمال علم و حکمت سے تنہا ملکہ ہی نہیں، اُس کے وزرا و امرا بھی متاثر تھے اور پہلے سے اُن کی عظمت کے قائل ہو چکے تھے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے سر اطاعت جھکانے کا مطالبہ کیا گیا تو ملکہ نے چاہا کہ وہ براہ راست آپ سے ملے اور آپ کے کمالات کو دیکھے تاکہ جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے، اُس سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کر سکے۔ سبا کے دار الحکومت مارب سے یروشلم تک تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کا یہ سفر اِسی مقصد سے کیا گیا تھا۔

۵۲۔ دنیا میں قبول حق کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے جسے قرآن نے ملکۂ سبا کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... مطلب یہ ہے کہ روایات اور قومی روابط کی زنجیریں ہر شخص آسانی سے نہیں توڑ سکتا۔ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن پر حق واضح ہوتا ہے، لیکن وہ اپنے ماحول کے بندھنوں میں ایسے بندھے ہوئے ہوتے ہیں کہ اُن سے رہائی حاصل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ صرف صاحب توفیق ہی ہوتے ہیں جو راہ کے اِن بھاری پتھروں کو ہٹانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ مشکل یوں تو ہر ایک کی راہ میں ہوتی ہے، لیکن جن لوگوں کو سیادت و قیادت کا منصب حاصل ہوتا ہے، اُن کے لیے یہ مشکل دوچند، بلکہ دہ چند ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ماحول کے بالکل ہی غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔ مدعی تو وہ ہوتے ہیں لوگوں کے لیڈر ہونے کے، لیکن چلتے ہیں لوگوں کے پیچھے پیچھے۔'' (تدبر قرآن ۵/۶۰۶)

قِيۡلَ لَهَا ادۡخُلِي الصَّرۡحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتۡهُ حَسِبَتۡهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتۡ عَنۡ سَاقَيۡهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ ۬ؕ قَالَتۡ رَبِّ اِنِّيۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ وَاَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَيۡمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۴۴﴾

اُسے کہا گیا کہ اب محل میں داخل ہو جائیے۔ پھر جب اُس نے محل (کے فرش) کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیوں سے پائنچے اٹھا لیے۔ سلیمان نے کہا: یہ تو شیشوں سے بنا ہوا محل ہے[۵۳]۔ (اس پر) وہ پکار اٹھی: میرے پروردگار، میں اپنی جان پر ظلم کرتی رہی ہوں۔ (سو لوٹتی ہوں) اور سلیمان کے ساتھ ہو کر اب میں نے اپنے آپ کو اللہ رب العٰلمین کے حوالے کر دیا ہے[۵۴]۔۴۴

۵۳۔ یہ اُس صورت حال کی تصویر ہے جس سے ملکہ محل کے فرش پر قدم رکھتے ہی دوچار ہوئیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے محل کا فرش شیشے کی دبیز تختیوں سے بنایا گیا تھا اور اُس کے نیچے پانی بہ رہا تھا، اِس وجہ سے کوئی انجان جب فرش پر قدم رکھتا تو اُس کو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا وہ کسی حوض میں اتر رہا ہے۔ ایک دیہاتی جب کسی متمدن شہر کے ایوانوں اور محلوں میں داخل ہوتا ہے تو اُس کو اِس طرح کی حیرانی بہت پیش آتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کا حال یہ تھا کہ اُس کے اندر دیہاتی تو در کنار، ملکۂ سبا بھی ایک دیہاتی بن گئیں۔" (تدبر قرآن ۵/۶۰۶)

۵۴۔ مطلب یہ ہے کہ علم و معرفت اور پاکیزگی نفس کے حیرت انگیز کرشموں کے ساتھ اِس شان و شکوہ نے ملکہ کو بالکل سر افگندہ کر دیا اور اُس نے شرک و بت پرستی سے توبہ کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ بائیبل کا بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے اِس کے بعد اُسے معزول نہیں کیا، بلکہ ملازموں سمیت واپس جانے کی اجازت دے دی۔*

سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا کا یہ قصہ یہودی ربیوں کی روایات میں بھی کم و بیش اِنھی تفصیلات کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ملکہ کا تخت اٹھا منگوانے کا واقعہ، البتہ صرف قرآن میں ہے۔ تاہم اصل مدعا وہی ہے کہ اِن تمام

* سلاطین اول ۱۰: ۱۳۔

تفصیلات سے یہ حقیقت واضح کی جائے کہ فراعنہ کے مقابل میں خدا کا یہ بندہ اِس علم و حکمت، اِس شکوہ خسروی اور ایسی بے نظیر تعمیرات کے باوجود عبدیت کا کیا جمال و کمال اپنے اندر رکھتا تھا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس سے معلوم ہوا کہ وہ شیش محل بھی اللہ کی ایک نشانی ہے جس کے ساتھ عبدیت و انابت اور شکرگزاری و وفاداری کا وہ جمال ہو جو حضرت سلیمان کے اندر تھا۔ اُس سے خلق کو رہنمائی ملتی ہے اور وہ آنکھوں کو خیرہ کرنے کے بجاے اُن کو بصیرت بخشتا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو پھر وہ کبر و غرور کا ایک نشان اور ایک ظلمت خانہ ہے، اگرچہ کوئی اُس کا نام قصر ابیض (White House) ہی کیوں نہ رکھ چھوڑے۔“

(تدبر قرآن ۵/۶۰۷)

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

عذاب قبر

(۵)

— ۲۵ —

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ[۱]: «إِنَّ لِلْقَبْرِ لَضَغْطَةً لَوْ نَجَا مِنْهَا أَحَدٌ لَنَجَا مِنْهَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ».

سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً قبر میں ایک نوعیت کی تنگی ہوتی ہے، جس سے اگر کوئی شخص بچا ہوتا تو سعد بن معاذ ضرور بچ جاتے[۱]۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ سیدنا سعد کے لیے بڑی تحسین کا جملہ ہے کہ جب اُن جیسی غیر معمولی شخصیت بھی نہیں بچ سکی تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔ مطلب یہ ہے کہ موت کے دروازے سے گزر کر قبر میں داخل ہونا بجاے خود ایک سخت مرحلہ ہے جو ہر نیک و بد کو لازماً پیش آتا ہے۔ چنانچہ موت سے پہلے بیماری یا تکلیف جس طرح کسی کے اچھا یا برا ہونے کا پیمانہ نہیں ہوتی، اُسی طرح قبر کی تنگی بھی اِس کا پیمانہ نہیں ہوتی۔ اِس کی مثال ولادت سے پہلے دردزہ کی ہے، جس سے سیدہ مریم جیسی خاتون کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ چنانچہ یہ کوئی عذاب نہیں، بلکہ موت کے بعد اِس مرحلے کے لیے عام قانون اور محض اُس کیفیت کا بیان ہے جو داخل ہوتے

وقت محسوس ہوتی ہے۔ ایمان والوں کے لیے اِس کے بعد راحت ہی راحت ہے، جس کا ذکر پیچھے متعدد روایتوں میں ہو چکا ہے۔ یہ بات، البتہ ملحوظ رہے کہ 'قبر' کے لفظ سے یہاں بھی وہی غیر مرئی قبر مراد ہے، جس میں لوگ قیامت کے دن تک سوتے رہیں گے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند اسحاق، رقم ۱۱۱۴ سے لیا گیا ہے اور اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند ابن جعد، رقم ۱۵۴۸۔ فضائل الصحابۃ، احمد، رقم ۱۵۰۱۔ مسند حارث، رقم ۲۷۹۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۴۱۲۔ تہذیب الآثار، طبری، رقم ۸۹۷۔ جزء ابن فیل، رقم ۸۴۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۲۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۰۶۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۹۲۔

—۲۶—

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ،[1] أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ دُفِنَ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ وَهُوَ قَاعِدٌ عَلَى قَبْرِهِ قَالَ: «لَوْ نَجَا أَحَدٌ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ لَنَجَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ، وَلَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ رُخِّيَ عَنْهُ».[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی قبر پر بیٹھے ہوئے فرمایا تھا کہ قبر کی آزمایش سے اگر کوئی شخص بچا ہوتا تو سعد بن معاذ ضرور بچ جاتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تو اُنھیں بھی بھینچا گیا ہے، مگر پھر نرمی کر دی گئی[1]۔

۱۔ یعنی عام لوگوں کے لیے جو کیفیت کچھ دیر تک رہتی ہے، اُن کے لیے اُس میں بھی کمی کر دی گئی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۰۸۲۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات المعجم الاوسط،

طبرانی، رقم ۶۵۹۳ اور اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۱۲ میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ایک طریق، المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۵۵۵ میں آپ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں نقل ہوا ہے: ’’إِنَّ سَعْدًا ضُغِطَ فِي قَبْرِهِ ضَغْطَةً، فَسَأَلْتُ اللّٰهَ تَعَالَى أَنْ يُخَفِّفَ عَنْهُ‘‘، ’’سعد کو ایک مرتبہ قبر کی تنگی کا ضرور سامنا ہوا، پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے معاملے میں اس تنگی میں بھی تخفیف فرما دیں‘‘۔

ـــــ ۲۷ ـــــ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ[۱]: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا إِلَى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِينَ تُوُفِّيَ، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَوُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ، سَبَّحَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا، ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا، فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لِمَ سَبَّحْتَ؟ ثُمَّ كَبَّرْتَ؟ قَالَ: «لَقَدْ تَضَايَقَ عَلَى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهُ حَتَّى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ». وَعَنْهُ فِي رِوَايَةٍ قَالَ[۲]: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِسَعْدِ [بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ وَهُوَ يُدْفَنُ[۳]]: «هٰذَا الرَّجُلُ الصَّالِحُ الَّذِي [اهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ، وَ[۴]] فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، [وَشَهِدَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ، لَقَدْ[۵]] شُدِّدَ عَلَيْهِ [فِي قَبْرِهِ[۶]]، ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ».

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُنھی کی طرف گئے تھے۔ آپ جب اُن کی نماز جنازہ سے فارغ ہوئے اور اُنھیں قبر میں دفنا کر اینٹیں برابر کر دی گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح کی اور ہم سب بھی دیر تک تسبیح کرتے رہے۔ پھر آپ نے تکبیر کہنا شروع کیا تو

ہم نے بھی تکبیر کہی۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول، آپ نے اِس موقع پر یہ تسبیح اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ آپ نے فرمایا کہ اِس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی، یہاں تک کہ اب اللہ تعالیٰ نے اِسے اِس کے لیے کشادہ کر دیا ہے۔ اِنھی جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طریق میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ جس دن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور اُن کی تدفین ابھی جاری تھی، اُس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے عرش الٰہی ہل گیا ہے اور آسمان کے دروازے اِس کے لیے کھول دیے گئے ہیں اور اِن کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے ہیں۔ تاہم قبر میں اِس پر بھی کچھ سختی ہوئی، لیکن اب وہ اِس سے دور کر دی گئی ہے۔[1]

۱۔ یہ جس قانون کے تحت ہوتا ہے، اُس کی وضاحت ہم نے پیچھے روایت ۲۵ کے حاشیے میں کر دی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس واقعے کا متن مسند احمد، رقم ۱۴۸۷۳ سے لیا گیا ہے۔ تعبیر کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۱۴۵۰۵، ۱۵۰۲۹۔ فضائل الصحابۃ، احمد، رقم ۱۴۹۶، ۱۴۹۷۔ حدیث ہشام بن عمار، رقم ۹۔ تہذیب الآثار، طبری، رقم ۸۹۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۷۰۳۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۵۳۴۰، ۵۳۴۶۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، رقم ۱۴۰۵۔

۲۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح ابن حبان، رقم ۷۰۳۳ سے لیا گیا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کا ایک شاہد ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل ہوا ہے، جس کے مراجع یہ ہیں: السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۵۵۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۱۹۳۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۴۱۷۰۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۱۷۰۷۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۵۳۳۳، ۱۳۵۵۵۔ معرفۃ الصحابۃ، ابونعیم، رقم ۳۱۱۱۔ دلائل النبوۃ، بیہقی، رقم ۱۴۰۴۔

۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۵۳۴۰۔

۴۔ حدیث ہشام بن عمار، رقم ۹۔

۵۔ یہ اضافہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ایک طریق، السنن الصغریٰ، نسائی رقم ۲۰۵۵ سے لیا گیا ہے، جب کہ دلائل النبوۃ، بیہقی، رقم ۱۴۰۴ میں اِنھی سے یہ بات اِس تعبیر کے ساتھ نقل ہوئی ہے: 'وَشَيَّعَ جِنَازَتَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ'، ''اور ستر ہزار فرشتوں نے اُن کا جنازہ اُٹھایا''۔

۶۔ تہذیب الآثار، طبری، رقم ۸۹۶۔

— ۲۸ —

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ[1] أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى عَلَى صَبِيٍّ أَوْ صَبِيَّةٍ فَقَالَ: «لَوْ نَجَا أَحَدٌ مِنْ ضَمَّةِ الْقَبْرِ لَنَجَا هٰذَا الصَّبِيُّ». وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ،[2] أَنَّ صَبِيًّا دُفِنَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ أَفْلَتَ أَحَدٌ مِنْ ضَمَّةِ الْقَبْرِ لَأَفْلَتَ هٰذَا الصَّبِيُّ».

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے یا بچی کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فرمایا: قبر کی تنگی سے اگر کوئی بچا ہوتا تو یہ بچہ ضرور بچ جاتا۔ ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بچے کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس موقع پر بھی یہی بات فرمائی کہ قبر کے بھینچنے سے اگر کوئی محفوظ رہ سکتا تو یہ بچہ ضرور محفوظ رہتا۔[1]

۱۔ یہ روایت اُس مدعا کو بالکل واضح کر دیتی ہے جو ہم نے اِس مضمون کی روایتوں سے سمجھا اور پیچھے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۴۳۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۴۳۴۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۷۵۳۔

۲۔اِس روایت کا متن المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۸۵۸ سے لیا گیا ہے۔اِس طریق کا تنہا ماخذ یہی ہے۔

— ۲۹ —

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ[1] كُنْتُ جَالِسًا مَعَ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ، وَخَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ وَهُمَا يُرِيدَانِ أَنْ يَتْبَعَا جِنَازَةَ مَبْطُونٍ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ يَقْتُلُهُ بَطْنُهُ، فَلَنْ يُعَذَّبَ فِي قَبْرِهِ»؟ فَقَالَ: بَلَى.

عبد اللہ بن یسار سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، وہ دونوں ایک شخص کے جنازے میں شرکت کا ارادہ رکھتے تھے، جو پیٹ کے مرض سے فوت ہوا تھا۔ اُن میں سے ایک نے اُس موقع پر اپنے ساتھی سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ جو شخص پیٹ کی بیماری سے فوت ہو جائے، اُس کو ہرگز قبر میں عذاب نہیں ہو گا[1]؟ اُس کے ساتھی نے جواب میں کہا: بالکل، کیوں نہیں۔

۱۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل میں سبقت کرنے والے اگر کسی سزا کے مستحق بھی ہوں تو اِس طرح کی ناگہانی آفات جس اذیت کے ساتھ موت کا باعث بنتی ہیں، وہی اُن کے لیے کفارہ بن جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اُنھیں معاف کر دیتا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۸۳۱۰ سے لیا گیا ہے۔اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۱۳۸۴۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۸۶۸۔ مسند احمد، رقم ۱۸۳۱۱، ۱۸۳۱۲، ۲۲۵۰۰۔ سنن ترمذی، رقم ۱۰۶۴۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۲۰۵۲۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۱۹۰۔

معجم الصحابة، ابن قانع، رقم ۷۰۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۲۹۳۳۔ المعجم الکبیر طبرانی، رقم ۶۱۰۱، ۶۱۰۶، ۶۱۰۹، ۶۴۸۶۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۵۲۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۹۴۱۷۔

— ۳۰ —

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ،[1] أَنَّهُ مَرَّ بِسَلْمَانَ وَهُوَ مُرَابِطٌ فِي بَعْضِ قُرَى فَارِسَ، فَقَالَ لَهُ [سَلْمَانُ[2]]: مَالَكَ هَاهُنَا؟ قَالَ: أُرَابِطُ، قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَمْرٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «رِبَاطُ يَوْمٍ [وَلَيْلَةٍ[3]] فِي سَبِيلِ اللهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَمَنْ مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ أُجِيرَ مِنْ عَذَابِ[4] الْقَبْرِ،[5] وَجَرَى عَلَيْهِ صَالِحُ عَمَلِهِ [الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ[6]] إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، [وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ[7]]».

کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر گزرتے ہوئے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اُن کی ملاقات ہوئی، جو فارس کی کسی بستی میں سرحد کی حفاظت پر مامور تھے۔ سلمان نے اُنھیں دیکھا تو کہا: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کعب نے جواب میں کہا: میں سرحد کی حفاظت کر رہا ہوں۔ سلمان نے کہا: کیا میں تمھیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، آپ کا ارشاد ہے: اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات سرحد کی حفاظت میں مشغولیت ایک مہینے کے روزوں اور قیام اللیل سے بہتر ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں سرحد کی نگرانی کرتے ہوئے مر گیا، وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا، اور اُس کا وہ نیک عمل جس پر موت کے وقت وہ عامل تھا، (اُس کے نامۂ اعمال میں) قیامت کے دن تک جاری رہے گا، اور (اللہ تعالیٰ کے ہاں) اُس کا رزق جاری کر دیا جائے گا۔[1]

۱۔ راہ حق کے شہدا اور مجاہدین کا جو صلہ قرآن میں بیان ہوا ہے، یہ بشارت اُسی کی فرع ہے۔ اِس کے لیے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

دیکھیے: آل عمران ۳: ۱۶۹-۱۷۵۔اِس سے مزید یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میدان جنگ میں مجاہد کی طبعی موت شہادت ہی کے حکم میں ہے۔اِس باب کی روایتوں کو ہم نے جس طرح دیکھا ہے، اُس کے لحاظ سے یہ بات بھی واضح رہے کہ 'شہادت' قرآن کی رو سے ایسا غیر معمولی عمل ہے کہ ہر بندۂ مومن کو سابقین کے درجے تک پہنچادیتا ہے۔ چنانچہ اُس کا انجام بھی وہی ہوتا ہے جو سابقین کے لیے بیان ہوا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن اصلاً الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۳۱۱ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی تفاوت کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں، وہ یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۴۵۳۔ صحیح مسلم، رقم ۱۹۱۳۔ الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۳۰۳، ۳۰۹۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۳۱۶۷، ۳۱۶۸۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۴۳۶۱۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۷۴۶۶، ۷۴۶۷، ۷۴۶۸، ۷۴۶۹، ۷۴۷۰۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۲۳۱۴، ۲۳۱۵۔ معجم ابن اعرابی، رقم ۸۹۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۶۲۵، ۴۶۲۶۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۱۵۴۵، ۳۵۲۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۲۴۲۲، ۲۴۲۳۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم، رقم ۶۹۹۹۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۴۱، ۱۴۲۔ السنن الصغریٰ، بیہقی، رقم ۲۷۷۸۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۷۸۸۵، ۱۷۸۸۶۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۹۸۰۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے علاوہ اِس کا ایک شاہد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۴۵۴ میں بھی نقل ہوا ہے۔

مستخرج ابی عوانہ، رقم ۷۴۷۰ میں اِسی طرح کا ایک واقعہ یوں منقول ہے: 'عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيّ أَنَّهُ وَجَدَ شُرَحْبِيلَ مُرَابِطًا بِحِمْصَ، قَالَ: مَا تَصْنَعُ هَهُنَا يَا شُرَحْبِيلُ؟، قَالَ: أُرَابِطُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَالَ: لَئِنْ كُنْتَ صَادِقًا لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، يَقُولُ: «رِبَاطُ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، فَإِنْ مَاتَ أَجْرَى اللّٰهُ عَمَلَهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُ، وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَّانَ»'، ''سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حمص میں اُن کی ملاقات شرحبیل سے ہوئی جو وہاں سرحد کی نگرانی پر مامور تھے۔ سلمان نے اُن سے کہا: شرحبیل، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اُنھوں نے کہا: اللہ کی راہ میں سرحد کی نگہبانی کر رہا ہوں۔ سلمان نے کہا: اگر تم سچے ہو تو (سنو)،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن یا ایک رات سرحد کی نگرانی میں مشغولیت ایک مہینے کے روزوں اور قیام اللیل سے بہتر ہے اور آدمی کو اگر اِس حال میں موت آگئی تو اللہ تعالیٰ اُس کے (اِس) آخری عمل کو، جسے وہ انجام دے رہا تھا، (اُس کے نامۂ اعمال میں قیامت تک) جاری رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا رزق جاری کر دیا جاتا ہے، اور وہ سخت آزمایش کرنے والی چیز، (یعنی قبر کے عذاب) سے مامون ہو جاتا ہے''۔

۲۔ حدیث ابی العباس، جمع بن قاسم، رقم ۲۲۔

۳۔ صحیح مسلم، رقم ۱۹۱۳۔ بعض طرق، مثلاً الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۳۰۹ میں یہاں 'يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ'، ''ایک دن اور ایک رات'' کے بجائے 'يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ'، ''ایک دن یا ایک رات'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۴۔ بعض طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۹۴۵۳ میں یہاں 'عَذَابِ' کے بجائے 'فِتْنَةِ' کا لفظ روایت ہوا ہے۔ یعنی 'سزا' کے بجائے 'آزمایش' کا لفظ منقول ہے۔

۵۔ بعض روایتوں، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۱۹۱۳ میں 'أُجِيرَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ'، ''وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا'' کے بجائے 'أَمِنَ الْفَتَّانَ'، ''آزمایش میں ڈالنے والی سب سے بڑی چیز، (یعنی عذابِ قبر) سے مامون رہے گا''، جب کہ بعض طرق، مثلاً الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۳۰۹ میں 'أُومِنَ مِنَ الْفُتَّانِ'، ''آزمایش میں ڈالنے والی سب سے بڑی چیز، (یعنی عذاب قبر) سے اُس کو مامون رکھا جائے گا'' کی تعبیر نقل ہوئی ہے۔

۶۔ صحیح مسلم، رقم ۱۹۱۳۔

۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۳۱۶۸۔ بعض طرق، مثلاً شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۹۸۰ میں یہاں 'وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ' کے بجائے 'وَيُقْطَعُ لَهُ رِزْقٌ فِي الْجَنَّةِ' کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۱

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ[۱] سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ الَّذِي مَاتَ عَلَيْهِ، إِلَّا الْمُرَابِطُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّهُ يَنْمُو لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ[۲]».

فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر مرنے والے کا نامۂ اعمال موت کے وقت اُس کے آخری عمل پر بند کر کے سر بمہر کر دیا جاتا ہے، سوائے اللہ کی راہ میں سرحد کی نگہبانی پر مامور شخص کے۔ (اُس کی موت اگر اِسی حال میں واقع ہو جائے تو) اُس کا یہ عمل قیامت کے دن تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کی آزمایش سے بھی محفوظ رہے گا۔[1]

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ اِس طرح کی خدمات انجام دیتے رہے، وہ تو یقیناً اِسی اجر کے مستحق ہیں، تاہم بعد کے زمانوں میں بھی ہر صاحب ایمان اپنے پروردگار سے اِس کی توقع کر سکتا ہے، اگر وہ فی الواقع اُسی کے لیے اور اُسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ظلم وعدوان کے مقابلے میں کسی جگہ سرحدوں پر یہ خدمت انجام دیتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن الجہاد، ابن مبارک، رقم ۱۷۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: سنن سعید بن منصور، رقم ۲۴۱۴۔ مسند احمد، رقم ۲۳۹۵۱۔ سنن ابی داؤد، رقم ۲۵۰۰۔ سنن ترمذی، رقم ۱۶۲۱۔ الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۳۱۷۔ مسند بزار، رقم ۳۷۵۳۔ مستخرج ابی عوانہ، رقم ۷۴۶۳، ۷۴۶۴۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۲۳۱۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۶۲۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۸۰۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۲۴۱۷۔ اثبات عذاب القبر، بیہقی، رقم ۱۴۳۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۹۸۲۔

۲۔ کئی طرق، مثلاً سنن ابی داؤد، رقم ۲۵۰۰ میں یہاں 'وَيَأْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ'، ''وہ قبر کی آزمایش سے بھی محفوظ رہے گا'' کے بجاے 'وَيُؤَمَّنُ مِنْ فَتَّانِ الْقَبْرِ'، ''اور اُس کو قبر میں سخت آزمایش میں ڈالنے والی چیز سے بھی مامون رکھا جائے گا'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

— ۳۲ —

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، قَالَ:[1] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ لِلشَّهِيدِ

عِنْدَ اللهِ خِصَالًا، يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دَفْقَةٍ مِنْ دَمِهِ، وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ، وَيُزَوَّجُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، الْيَاقُوتَةُ مِنْهُ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ».

مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہید[1] کی کئی خصوصیات ہیں: ایک یہ کہ اُس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اُس کی مغفرت کر دی جاتی ہے، دوسرے یہ کہ (موت کے بعد ہی) وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے، تیسرے یہ کہ اُس کو ایمان کی پوشاک پہنائی[2] جاتی ہے، چوتھے یہ کہ غزال چشم خوب صورت عورت سے اُس کو بیاہ دیا جاتا ہے، پانچویں یہ کہ اُس کو عذاب قبر سے محفوظ کر دیا جاتا ہے، چھٹے یہ کہ روز قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، ساتویں یہ کہ اُس کے سر پر عزت کا ایسا تاج پہنایا جاتا ہے جس کا ایک قیمتی پتھر بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، آٹھویں یہ کہ اُس کو بہتّر غزال چشم گوریوں سے بیاہ دیا جاتا ہے[3] اور نویں یہ کہ اُس کے عزیز و اقارب میں سے ستّر لوگوں کے حق میں اُس کی شفاعت قبول کر لی جاتی ہے[4]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلیں اور اُس میں مارے جائیں۔ سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۱۴۰ میں یہ اِسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ اِس سے غالباً وہ خلعت مراد ہے جو سچے اہل ایمان کو جنت میں داخل ہوتے وقت اُن کے اعزاز و اکرام کے لیے پہنایا جائے گا۔

۳۔ یعنی اُس بیوی کے سوا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ اِسے بھی اللہ تعالیٰ کی اُنھی عنایتوں میں سے سمجھنا چاہیے جو جنت میں شہدا اور صدیقین کے لیے خاص ہوں گی۔

۴۔ یہ، ظاہر ہے کہ اُسی قانون کے مطابق قبول کی جائے گی جو شفاعت کے لیے قرآن میں بیان ہوا ہے۔ اِس کی تفصیلات کے لیے دیکھیے ہماری کتاب ''میزان'' میں مضمون: ''نبی کی شفاعت''۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن سنن سعید بن منصور، رقم ۲۵۶۲ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مصادر میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مصنف عبد الرزاق، رقم ۹۵۵۹۔ مسند احمد، رقم ۱۷۱۸۲۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۷۹۹۔ سنن ترمذی، رقم ۱۶۶۳۔ الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۲۰۴۔ مسند شاشی، رقم ۱۲۵۹۔ الشریعۃ، آجری، رقم ۸۱۱۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۱۱۲۰۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۶۲۹۔ امالی ابن بشران، رقم ۶۰۷۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۳۹۴۹۔

مقدام رضی اللہ عنہ کی اِس روایت کے تین شواہد مراجع حدیث میں نقل ہوئے ہیں جن میں اسلوب اور تفصیلات کا معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ ایک عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے طرق اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: سنن سعید بن منصور، رقم ۲۵۶۳۔ مسند احمد، رقم ۱۷۱۸۳۔ الجہاد، ابن ابی عاصم، رقم ۲۰۷۔ مسند شاشی، رقم ۱۲۶۰۔ دوسرا قیس جذامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہوا ہے، جس کے طرق اِن مراجع میں ہیں: مسند احمد، رقم ۱۷۷۸۳۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۲۷۴۳۔ معجم الصحابۃ، ابن قانع، رقم ۱۵۸۵۔ معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم، رقم ۵۷۲۲، ۵۷۲۳۔ تیسرا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے نقل ہوا ہے، جو صرف مسند شامیین، طبرانی، رقم ۱۱۶۳ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

—— ۳۳ ——

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:[1] «الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِي قَبْرِهِ بِالنِّيَاحَةِ عَلَيْهِ»[2].

ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: مرنے والے پر نوحہ کیا جائے تو اِس پر اُس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے[1]۔

۱۔ جزاو سزا کے جو اصول قرآن نے بیان کیے ہیں، اُن کی رو سے یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آگے کی روایتوں سے واضح ہو جائے گا کہ اِس میں بیان کرنے والوں سے کیا غلطی ہوئی ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۸۰ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ و تفصیلات کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق جن مراجع میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مسند طیالسی، رقم ۱۵۔ مسند احمد، رقم ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۹۴، ۳۵۴، ۳۶۶۔ صحیح بخاری، رقم ۱۲۹۲۔ صحیح مسلم، رقم ۹۲۷۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۱۵۹۳۔ سنن ترمذی، رقم ۱۰۰۲۔ مسند بزار، رقم ۱۰۴، ۱۴۶۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۹۸۸، ۱۹۸۹، ۱۹۹۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۸۴۸، ۱۸۵۰، ۱۸۵۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۷۹۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۶۵۷، ۱۶۶۷۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہی مضمون الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مختلف روایتوں اور واقعات میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ اُن کے بیٹے عبد اللہ، ابو ہریرہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہوا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات آگے مرکزی متن کے طور پر بیان ہو رہی ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۸۹۵ میں اِن الفاظ میں نقل ہوئی ہے کہ 'أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ»'، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میت کو زندہ لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے''۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اِس شاہد کے متابعات مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۴۴۲ اور معجم ابن اعرابی، رقم ۱۰۹۸ میں دیکھ لیے جا سکتے ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کی روایت سنن ترمذی، رقم ۱۰۰۰ میں یوں بیان ہوئی ہے: 'عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الأَسَدِيِّ، قَالَ: مَاتَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ [بِالْكُوفَةِ*] يُقَالُ لَهُ: قَرَظَةُ بْنُ كَعْبٍ، فَنِيحَ عَلَيْهِ، فَجَاءَ المُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، فَصَعِدَ المِنْبَرَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: مَا بَالُ النَّوْحِ فِي الاِسلَامِ، أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ عُذِّبَ [فِي

---

*مسند احمد، رقم ۱۸۲۳۷۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

قَبْرِهِ*] بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ»، ''علی بن ربیعہ اسدی کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں: انصار میں سے ایک شخص کوفے میں وفات پا گیا، جس کو قرظہ بن کعب کہا جاتا تھا۔ اُس کی وفات پر نوحہ کیا گیا تو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنے منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد و ثنا کی اور کہا: اسلام میں نوحے کی کیا حیثیت رہ گئی ہے۔ آگاہ رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس میت پر نوحہ کیا گیا، اُس کو اُس کی قبر میں اِس نوحے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا''۔

اِس شاہد کے متابعات جن مصادر میں نقل ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۰۹۸۔ مسند احمد، رقم ۱۸۱۴۰، ۱۸۲۰۲، ۱۸۲۳۷۔ صحیح بخاری، رقم ۱۲۹۱۔ صحیح مسلم، رقم ۹۳۳۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۴۱۵۔ شرح معانی الآثار، طحاوی، رقم ۶۹۷۸۔ جب کہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے اِس کا شاہد مسند احمد، رقم ۱۹۹۱۸ میں اِس طرح نقل ہوا ہے: 'عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: ذَكَرُوا عِنْدَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ: «الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ» فَقَالُوا: كَيْفَ يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ؟ فَقَالَ عِمْرَانُ: قَدْ قَالَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ'، ''محمد بن سیرین سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک موقع پر لوگوں نے عمران بن حصین کے سامنے اِس بات کا تذکرہ کیا کہ مردے کو زندہ لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ وہ کہنے لگے: زندہ لوگوں کے رونے کے سبب میت کو کیسے عذاب دیا جا سکتا ہے؟ عمران رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو کہا: بلاشبہ، یہ بات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے''۔

اِس کے متابعات کے مراجع یہ ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۱۱۶۔ مسند طیالسی، رقم ۸۹۵۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۹۸۷۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۸۴۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۳۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۴۴۰۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

*مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۲۰۹۸۔

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

یتیم پوتی کی وراثت

[نظر ثانی کے بعد دوبارہ اشاعت]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ أَبَا مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ، عَنِ امْرَأَةٍ تَرَكَتْ ابْنَتَهَا، وَابْنَةَ ابْنِهَا، وَأُخْتَهَا؟ فَقَالَ: النِّصْفُ لِلِابْنَةِ، وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ، وَقَالَ: ائْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ، فَإِنَّهُ سَيُتَابِعُنِي، قَالَ: فَأَتَوْا ابْنَ مَسْعُودٍ[1]، فَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى، فَقَالَ: لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ، لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «لِلِابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ[2]». فَأَتَوْا أَبَا مُوسَى، فَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ.

ہزیل بن شرحبیل سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اُن سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کے وارثوں میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک بہن ہو تو وراثت

کی تقسیم کس طرح ہو گی؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ کل مال کا نصف بیٹی کو مل جائے گا اور دوسرا نصف بہن کو۔ پھر فرمایا کہ ابن مسعود کے پاس جاؤ اور اُن سے بھی پوچھ لو، وہ اِس میں میری تائید ہی کریں گے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ چنانچہ لوگ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے ابو موسیٰ کی یہ راے بیان کی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: میں اِس کی تائید کروں تو گم راہی میں پڑوں گا اور کبھی راستہ نہیں پا سکوں گا، میں تو اِس معاملے میں وہی فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، بیٹی کو پورے مال کا نصف ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں[1]۔ اِس کے بعد جو باقی بچے گا، وہ بہن کا ہے[2]۔ لوگ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُنھیں ابن مسعود کی یہ راے بتائی تو اُنھوں نے فرمایا: یہ جلیل القدر عالم جب تک تمھارے اندر موجود ہے، تم مجھ سے کوئی بات نہ پوچھا کرو۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اجتہاد جس اصول پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ اولاد کی اولاد اُن کے مرنے کے بعد اپنے ماں باپ کی طرح دادا اور نانا کی اقرب ہو جاتی اور اِسی حیثیت سے میراث کی حق دار قرار پاتی ہے۔ چنانچہ اولاد میں کوئی باقی نہ رہے تو اُن کے حصے وہی ہوں گے جو اولاد کے ہیں۔ اولاد میں صرف لڑکے یا لڑکے لڑکیاں، دونوں موجود ہوں، مگر اُن میں کچھ مورث کی زندگی میں وفات پا گئے ہوں تو اُن کی اولاد کو وہی ملے گا جو اُن کے والدین زندہ ہوتے تو بلا واسطہ اولاد کی حیثیت سے اُن کو ملتا۔ اِس کے برخلاف اگر اولاد میں صرف لڑکیاں ہوں اور اُن کے ساتھ اولاد کی اولاد بھی ہو تو وراثت کی تقسیم اِس طرح ہو گی:

ایک لڑکی کے ساتھ اولاد کی اولاد میں بھی صرف لڑکیاں ہوں تو لڑکی کو اُس کا حصہ دے کر دو ثلث ترکے کا باقی اولاد کی اولاد، اِن لڑکیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

لڑکی کے ساتھ اولاد کی اولاد میں صرف لڑکے یا لڑکے لڑکیاں، دونوں ہوں تو لڑکی کا حصہ دینے کے بعد باقی سب اولاد کی اولاد کا ہے۔ یہی معاملہ اُس صورت میں بھی ہو گا، جب مورث کی ایک کے بجاے دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں۔ چنانچہ اُن کے لیے مقرر ترکے کا دو تہائی حصہ دینے کے بعد باقی سب اولاد کی اولاد کو دیا جائے گا۔

۲۔ اِس لیے کہ بلا واسطہ یا بالواسطہ اولاد کی عدم موجودگی میں بہن بھائی ہی میت کے وارث ہوتے ہیں۔

سورۂ نساء (۴) کی آخری آیت میں قرآن نے یہ بات لوگوں کے سوالات کے جواب میں واضح کر دی ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۴۲۷۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مسند طیالسی، رقم ۳۷۰۔ مصنف عبد الرزاق، رقم ۱۸۴۰۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۴۷۹، ۳۰۴۲۴، ۳۰۴۲۹۔ مسند ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۷۔ مسند احمد، رقم ۳۵۶۱، ۳۹۳۵، ۴۰۵۱، ۴۲۷۵۔ سنن دارمی، رقم ۲۷۹۷۔ صحیح بخاری، رقم ۶۲۷۳۔ سنن ترمذی، رقم ۲۰۱۹۔ سنن ابی داؤد، رقم ۲۵۰۷۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۲۷۱۳۔ مسند بزار، رقم ۱۸۲۵۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۵۰۴۴، ۵۱۷۹۔ شرح معانی الآثار، رقم ۴۹۰۰۔ مسند شاشی، رقم ۸۴۴، ۸۴۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۶۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۹۷۴۸، ۹۷۴۹، ۹۷۵۰، ۹۷۵۱، ۹۷۵۲، ۹۷۵۳۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم، ۵۱۵۴، ۶۹۸۱۔ المعجم الصغیر، طبرانی، رقم ۵۴۹۔ سنن دارمی، رقم ۳۵۹۷، ۳۵۹۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۰۳۴۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۱۳۹۶، ۱۱۴۰۲، ۱۱۴۱۳۔ السنن الصغیر، بیہقی، رقم ۱۰۳۶۔

۲۔ سنن ابی داؤد میں یہاں 'فَلِلْأُخْتِ' کے بجاے 'وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ مِنَ الأَبِ وَالأُمِّ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی حقیقی بہن۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۰۴۲۴ میں اِس فیصلے پر سیدنا ابو بکر کا یہ تبصرہ بھی نقل ہوا ہے:

وَهٰذِهِ مِنْ سِتَّةِ أَسْهُمٍ: لِلِابْنَةِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ، وَلِابْنَةِ الِابْنِ سَهْمٌ وَلِلْأُخْتِ سَهْمَانِ.

”یہ تقسیم کل چھ حصوں میں ہوئی ہے، جن میں سے تین بیٹی کے، ایک پوتی کا اور دو بہن کے ہیں۔“

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (۱٤۱٤ھ/۱۹۹۳م). **صحیح ابن حبان**. ط۲. تحقیق: شعیب الأرنؤوط. بیروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، علی بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩هـ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع. (١٤٨١هـ/١٩٩٨م). **المعجم الصحابة.** ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة المكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجة، ابن ماجة القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب.** ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم ، (د.ت). **معرفة الصحابة.** ط١. تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل. (١٤٠٧هـ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح.** ط٣. تحقيق: مصطفى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤هـ/١٩٩٤م). **السنن الكبرى.** ط١. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين السيوطي. (١٤١٦هـ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج.** ط ١. تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠هـ). **مسند الشاشي.** ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي. (١٤٠٠هـ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال.** ط١. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **صحيح المسلم.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرى.** ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرى.** ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

رضوان اللہ

البیان: خصائص و امتیازات

(۴)

[اس مضمون کی تین اقساط اکتوبر اور دسمبر ۲۰۱۸ء اور مئی ۲۰۱۹ء کے شماروں میں سلسلہ وار شائع ہوئی ہیں۔ اس سلسلے کو دوبارہ شروع کیا جا رہا ہے۔ ادارہ]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۶۔ لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی تعیین

لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یا بطور اسم اور اصطلاح کے یا متکلم نے اسے اُٹھا کر ایک اصطلاح بنا دیا ہے، ان تمام باتوں کا فیصلہ بھی سیاق و سباق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات کچھ مسائل کی وجہ سے مترجمین پر اس معاملے میں مکمل وضوح نہیں ہو پاتا اور اس بات کا امکان بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ ان کے ہاں یہ تمام پہلو آپس میں خلط ملط ہو جائیں۔ مثال کے طور پر، اس آیت میں ذہنوں پر اصطلاح کا غلبہ لفظ کے لغوی مفہوم کے بالکل دب جانے کا باعث ہو گیا ہے:

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ. (البقرہ ۲: ۳۵)

”اور ہم نے آدم سے کہا: تم اور تمھاری بیوی، دونوں اس باغ میں رہو۔“

عربی زبان میں ’جنة‘ کا لغوی معنی باغ ہے اور قرآن میں یہ اصطلاح کی حیثیت سے بھی بارہا استعمال ہوتا ہے۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ آدم و ابلیس کے واقعہ کے ذیل میں ایسی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی جو قیامت کے بعد اور انعام کے طور پر ملنے والے باغ کے لیے کوئی قرینہ فراہم کرتی ہو۔ لہٰذا اگر ذہن پر اصطلاحی معنی کا غلبہ

نہ ہو تو بہ آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن کے دیگر کئی مقامات کی طرح اس آیت میں بھی یہ اپنے عام لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے[18]۔ البیان میں یہی وجہ ہے کہ اس کا ترجمہ ''باغ'' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔

ذیل کی آیت اس بات کی مثال ہے کہ کسی خاص نقطۂ نظر کی بے جا رعایت بھی اس معاملے میں بعض اوقات عجز کا باعث ہو جایا کرتی ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً. (النساء ۴: ۲۴)

''پھر (اِس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا ہے تو) جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کا مہر اُنھیں ادا کرو، ایک فرض کے طور پر۔''

'استمتاع' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی فائدہ اٹھانا ہے۔ اسے اس معنی میں قرآن نے کئی مقامات پر استعمال کیا ہے[19] اور یہ آیت بھی اس کی ایک اچھی نظیر ہے۔ بعض حضرات نے اسے اصطلاحی معنی میں لے کر اس کا مطلب متعہ کرنا کر لیا ہے۔ دراں حالیکہ آیت ۱۹ سے ۲۵ تک سارے مجموعۂ کلام میں صرف نکاح شرعی کا بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے محرمات اور پھر نکاح کے دو شرائط، یعنی حق مہر اور پاک دامنی کا ذکر ہوا ہے۔ زیر نظر آیت اسی حق مہر کے بارے میں پیدا ہو جانے والے ایک سوال کا فوری جواب ہے کہ اگر اسے ادا کرنے سے پہلے بیویوں سے فائدہ اٹھا لیا گیا ہو تو ضروری ہے کہ اب اسے ادا کر دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرنا اگر مقدرت میں نہ ہو تو لونڈیوں سے نکاح کر لو، البتہ، یہ بات سامنے رہے کہ اس پر بھی نکاح کی دونوں شرطیں عائد رہیں گی۔ غرض یہ کہ سیاق کلام اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ یہاں لفظ 'استمتاع' فائدہ اٹھانے کے معنی میں آیا ہے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ لغوی معنی سے ہٹا کر اسے ایک خاص قسم کے جنسی رابطے سے متعلق کر لیا جائے۔ البیان میں بھی اس کا ترجمہ فائدہ اٹھانا کیا ہے اور قاری کو کسی شبہ سے بچانے کے لیے مزید یہ بھی کیا ہے کہ ایک مقدر جملہ قوسین کے اندر کھول دیا گیا ہے۔

ذیل کی آیت اس لحاظ سے مشکل ہو گئی ہے کہ اس میں ایک ہی جملے میں دو چیزیں دو مختلف پہلوؤں سے بیان کی گئی ہیں:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۸۔ جیسا کہ ان آیات میں: البقرہ ۲: ۲۶۵۔ سبا ۳۴: ۱۵۔ یہ بھی یاد رہے کہ 'الْجَنَّة' پر الف لام محض اس لیے آیا ہے کہ وہ باغ متکلم اور مخاطب کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔

۱۹۔ جیسا کہ ان آیات میں: التوبہ ۹: ۶۹۔ الاحقاف ۴۶: ۲۰۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا. (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

”ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے اُس دور کی مسجد تک لے گئی۔“

شہر مکہ میں واقع مسجد 'اَلْمَسْجِدِ الْحَرَام'، یعنی حرمت والی مسجد کے نام سے موسوم ہے اور اسے یہ حیثیت سیدنا ابراہیم کے زمانے سے حاصل تھی، اور اس اعتبار سے مقامی اور غیر مقامی، سب لوگوں کے لیے یکساں طور پر مسلم بھی تھی۔ اس کے مقابلے میں 'اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصَا' کی ترکیب خود بتا رہی ہے کہ ”دوری“ اس مسجد کا کوئی ذاتی اور مستقل وصف نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ اس سے دور رہنے والے، یعنی اہل مکہ کی رعایت سے بولا گیا ہے جن سے یہ چالیس دن کی دوری پر اور فلسطین کے علاقے میں واقع تھی۔ مزید یہ کہ ایک رات میں خدا کی طرف سے کرایا گیا یہ وہ سفر ہے جس میں مسجد حرام ابتدائی اور مسجد اقصیٰ انتہائی مقام ہے، اس لحاظ سے بھی اس کے لیے ”دور“ کا لفظ زیادہ موزوں دکھائی دیتا ہے۔ سو یہ لفظ چاہے بعد میں اسم کے طور پر رائج ہو گیا ہو، مگر یہ اُس وقت اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ البیان میں ”مسجد حرام“ کے مقابلے میں اس کا ترجمہ ”اُس دور کی مسجد“ کیا گیا ہے۔

اوپر کی تمام آیات لفظ کے لغوی معنی کی مثال ہیں۔ قرآن میں بہت سے الفاظ اصطلاح کے طور پر آتے ہیں اور وہ اتنے زیادہ اور اس قدر واضح ہیں کہ انھیں بیان کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں[20]۔ البتہ، ہم بطور مثال یہاں اُن آیات کو پیش کیے دیتے ہیں جن میں قرآن نے ایک عام لفظ کو اٹھایا اور اُسے ابتداءً اصطلاح کا درجہ دے دیا ہے یا کم سے کم اُس کے لیے ایک بنیاد فراہم ضرور کر دی ہے:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِیۡهَا هُدًی وَّنُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِهَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ. (المائدہ ۵: ۴۴)

”یہ تورات ہمیں نے اتاری، جس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی۔ اللہ کے فرماں بردار نبی، ربانی عالم اور فقیہ اِن یہودیوں کے فیصلے اِسی کے مطابق کرتے تھے۔“

عربی زبان میں 'إسلام' کا لفظ دوسرے کی اطاعت کرنے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے کے لیے معروف تھا۔ اسے اللہ کی اطاعت اور اس کے سپرد کرنے کے اصطلاحی معنی میں سب سے پہلے قرآن نے استعمال

۲۰۔ الاّ یہ کہ کوئی شخص اُس علم اور تاریخی شہادت کا کلی طور پر انکار کر دے جس کے پس منظر میں خدا کی کتاب کلام کرتی ہے۔

کیا ہے۔ البیان میں موقع کلام کی دلالت اور لفظ کے اس خاص پہلو کا لحاظ ہے کہ 'اَسۡلَمُوۡا' کا ترجمہ ''اللہ کے فرماں بردار'' کیا گیا ہے۔[21]

ذیل کی آیت اس بات کی مثال ہے کہ قرآن نے ایک لفظ کو اگرچہ اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا، مگر اسے باقاعدہ اصطلاح بنا دینے کی طرف پہلا قدم ضرور اٹھا دیا ہے:

وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ. (آل عمران ۳:۱۴۰)

''اور دنوں کا یہ الٹ پھیر تو ہم لوگوں کے اندر اِس لیے کرتے ہیں کہ اُن کا امتحان کریں اور اِس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے اُن لوگوں کو چھانٹ لے جو (اپنی جان دے کر بھی) حق کی گواہی دینے والے ہوں۔''

شہید کا لفظی معنی گواہی دینے والا ہے۔ اگرچہ قرآن نے بعض مقامات پر اسے ایک اصطلاح کی صورت میں بھی استعمال کیا ہے، یعنی حق کے راستے میں مقتول ہونے والا شخص، مگر اس آیت میں دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ یہ گواہی کے معنی میں آیا ہے۔ البتہ، یہ قرآن کا وہ مقام ہے جہاں اسے اس طرح سے استعمال کیا گیا ہے کہ وہ علوم اسلامیہ میں باقاعدہ ایک اصطلاح کی بنیاد بن گیا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کی یہی نزاکت ہے کہ البیان میں اس کا ترجمہ تو اس کی اصل کے لحاظ سے کیا گیا ہے، یعنی حق کی گواہی دینے والے، مگر قوسین میں ''اپنی جان دے کر بھی'' کے الفاظ لا کر اصطلاح کی طرف جاتا ہوا اس کا مفہوم بھی واضح کر دیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کم و بیش یہی معاملہ لفظ 'متقی' کا بھی ہے۔ ذیل کی آیت میں قرآن نے بطور اصطلاح اس کے استعمال کی بنیاد تو اُٹھا دی ہے، مگر یہ اپنے اصطلاحی معنی میں یہاں آیا نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ البیان میں اس کا ترجمہ بھی اردو کے ''متقی'' سے کرنے کے بجاے ''پرہیز گاروں'' کیا گیا ہے جس سے اصل معنی کی رعایت بھی ہو گئی ہے اور اس کے ایک اصطلاح بننے کی طرف خفیف سا اشارہ بھی ہو گیا ہے:

بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ. (آل عمران ۳:۷۶)

''ہاں، کیوں نہیں؟ (اللہ کا طریقہ تو یہ ہے کہ) جو اُس کے عہد کو پورا کرے اور پرہیز گار رہے، وہ اُسے محبوب ہے، اس لیے کہ اللہ پرہیز گاروں سے

۲۱۔ بلکہ یہ بھی قرآن ہی ہے جس نے بتایا ہے کہ 'اِسلام' کا یہ لفظ ایک خاص دین کا اِسم بھی ہے (آل عمران ۳:۸۵)۔

محبت کرتا ہے۔‘‘

۷۔ لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی کی تعیین

الفاظ حقیقی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور کبھی مجاز میں بھی چلے جاتے ہیں اور ان کی تعیین میں بھی فیصلہ کن چیز سیاق وسباق ہوتا ہے۔ اس معاملے میں اگر پورا دھیان نہ دیا جائے تو اس بات کا امکان بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ ترجمہ کرتے ہوئے حقیقت سے مجاز اور مجاز سے حقیقت مراد لے لی جائے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (البقرہ ۲: ۱۴۳)

’’اور اسی طرح ہم نے تمھیں بھی ایک درمیان کی جماعت بنادیا ہے تاکہ تم دنیا کے سب لوگوں پر (حق کی) شہادت دینے والے بنو اور اللہ کا رسول تم پر یہ شہادت دے۔‘‘

اس آیت میں عام طور پر ’اُمَّة‘ کی صفت ’وَسَطًا‘ کو مجاز میں لیتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ’’عادل امت‘‘، ’’امت معتدل‘‘ یا ’’اعتدال پر رہنے والی امت‘‘ وغیرہ۔ البیان میں اس کا ترجمہ ’’درمیان کی امت‘‘ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سیاق کلام بالکل واضح ہے کہ یہ اپنے حقیقی معنی، یعنی ’’درمیان‘‘ کے لیے آیا ہے۔ اس لیے کہ اگلے جملے میں ارشاد ہوا ہے کہ تمھیں امت وسط اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر شہادت دو اور اللہ کا رسول تم پر شہادت دے۔ اس کا سیدھا سا مطلب، ظاہر ہے کہ یہی بنتا ہے کہ تمھاری ایک طرف اللہ کے رسول ہیں اور دوسری طرف دنیا کے سب لوگ اور تم ان دونوں کے درمیان میں ہو۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ. (طٰہٰ ۲۰: ۱۲۰)

’’لیکن شیطان نے اُس کو ورغلایا۔ اُس نے کہا: آدم، میں تم کو وہ درخت بتاؤں جس میں ہمیشہ کی زندگی ہے۔‘‘

آدم وحوا کو ’الشَّجَرَة‘ کے قریب جانے سے روک دیا گیا تھا، مگر شیطان نے قسمیں کھا کر انھیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا اور انھیں بہکایا کہ وہ اس کا پھل ضرور کھائیں، اور ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ اس کے بہکاوے میں آکر اس کا پھل کھا بیٹھے۔ عام طور پر مترجمین جہاں بھی اس ’الشَّجَرَة‘ کا ذکر آئے، اس کا حقیقی معنی، یعنی درخت مراد لیتے ہیں اور پھر اس تفصیل میں چلے جاتے ہیں کہ آدم وحوا نے جو پھل کھایا وہ گندم کا تھا یا پھر جو اور زیتون کا تھا۔ البیان میں لفظ کے مجازی معنی کی رعایت کرتے ہوئے اس سے شجرۂ نسل اور اس کا

پھل کھانے سے میاں بیوی کا باہمی تعلق مراد لیا گیا ہے۔ اس بات کی دلیل سیاق و سباق میں یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم و حوا کو بہکایا تو ان سے گندم اور جو کے درخت کے بجاے 'شَجَرَةِ الْخُلْدِ'، یعنی ہمیشگی کے درخت کا ذکر کیا جو واضح طور پر اُس کے مجازی پہلو کی طرف ایک اشارہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگلے جملوں میں اس کا پھل کھانے کے جو نتائج بیان ہوئے ہیں، وہ بھی یہی بتاتے ہیں کہ یہاں اس لفظ سے اس کا مجاز ہی مراد ہے، جیسا کہ اس کے کھانے سے ابدی بادشاہی اور حیات جاوداں کا حاصل ہونا، اسے کھانے کی خواہش میں ایسی کیفیت طاری ہونا کہ آدمی اپنے پروردگار تک کا حکم بھول جائے اور مزید یہ کہ اسے کھانے سے پردے کے مقامات کے بارے میں شعور اور آگہی حاصل ہو جانا۔

یہاں ضمناً ایک اور بحث بھی سامنے رہے۔ اگرچہ اس کا سیاق و سباق والے مرکزی عنوان اور اُس کی ذیلی سرخی، یعنی لفظ کے حقیقی اور مجازی استعمال سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، مگر یہ اس لحاظ سے قابل غور ہے کہ اس میں بھی فعل کو اپنے فاعل اور مفعول کی طرف مجازی طور پر نسبت دی جاتی ہے۔ البیان میں ہم اس بات کا اہتمام دیکھتے ہیں کہ اس طرح کی عربی نسبتوں کو بہت سے مقامات پر بعینہٖ اردو قالب میں ڈھال دیا گیا ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ.

''اُس کو نگاہیں نہیں پا سکتیں، لیکن وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔'' (الانعام ۶: ۱۰۳)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اصل میں 'لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ' کے الفاظ آئے ہیں۔ چونکہ یہاں نگاہوں کا ذکر آ گیا ہے، اس لیے 'اِدْرَاك' سے بصیرت کا معنی مراد لینا تو ممکن نہیں رہا، چنانچہ اس کا مطلب بصارت، یعنی ''دیکھنا'' اور پھر اسی سے آگے بڑھ کر ''احاطہ کرنا'' بیان کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے، اس ترجمے کا یہ لازمی طور پر نتیجہ نکلا ہے کہ اس پر بعض کلامی اعتراضات وارد ہو گئے ہیں اور پھر ان کے جواب میں کافی طویل بحثیں چھڑ گئی ہیں۔ اس کے برعکس، البیان میں اس کا ترجمہ نہ تو ''احاطہ کرنا'' ہوا ہے کہ یہ لفظ سے صریح طور پر تجاوز ہے اور نہ اس کا ترجمہ ''دیکھنا'' کیا ہے کہ یہ اپنی ذات میں صحیح ہونے کے باوجود بعض سوالات پیدا کر دیتا ہے۔ اس میں 'اِدْرَاك' کا ترجمہ ''پانا'' کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہ اس لفظ کا بالکل لفظی ترجمہ ہے اور تفہیم مدعا کے لیے اس اعتبار سے بہت اچھا ہے کہ عربی زبان کی طرح یہ اردو میں بھی جب نگاہوں کے لیے آئے تو ''دیکھنے'' ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

بلکہ ذیل کی آیت میں فعل کی اپنے فاعل کی طرف مجازی اور مفعول کی طرف حقیقی نسبت، دونوں کی ایک

اچھی مثال پائی جاتی ہے۔ اس میں 'اِقَامَة' فعل اپنے مفعول، دیوار سے حقیقی نسبت رکھتا ہے اور 'یُرِیْدُ' فعل اپنے فاعل، دیوار سے مجازی نسبت رکھتا ہے، اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ البیان میں اول الذکر کا ترجمہ ''کھڑی کر دی'' کیا ہے اور ثانی الذکر کا ترجمہ ''گرا چاہتی'' کیا گیا ہے کہ یہ اردو میں 'یُرِیْدُ' کے اس استعمال کا مکمل طور پر متبادل ہے:

فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ فَاَقَامَهٗ.(الکہف ۱۸:۷۷)

''پھر اُنھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو اُس نے وہ دیوار کھڑی کر دی۔''

۸۔ الفاظ کا انفرادی کے بجائے مجموعی معنی

ایک مقام پر بعض اوقات ایک سے زائد الفاظ اپنے انفرادی معنی کے لحاظ سے استعمال نہیں ہوتے، بلکہ ان سے مقصود ان سب کا مجموعی معنی ہوتا ہے، اور دیکھا جائے تو اسے ہی ہم اپنی زبان میں محاورے کا نام دیتے ہیں۔ اس طرح کے مقامات کا ترجمہ کرتے ہوئے جس طرح عربی زبان کا علم اور اُس کا اچھا فہم ہونا لازم ہے، اسی طرح کلام کے سیاق وسباق پر بھی گہری نظر کا ہونا بہت زیادہ ضروری ہے:

يَوۡمَ يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّيُدۡعَوۡنَ اِلَى السُّجُوۡدِ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ.(القلم ۶۸:۴۲)

''یہ اُس دن کو یاد رکھیں، جب بڑی ہلچل پڑے گی اور یہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔''

اصل میں 'يُكۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ عربی زبان میں محاورے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور ان سب کا مجموعی مفہوم سخت وقت آپڑنے کا ہے۔ مترجمین کی ایک بڑی تعداد نے ان کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرتے ہوئے ان سے پروردگار کی ''پنڈلی کا کھل جانا'' مراد لیا ہے، حالاں کہ یہ ترجمہ جس طرح عربی محاورے سے واقفیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے، اسی طرح سیاق وسباق سے بھی غیر موافق ہے۔ یہاں قیامت کے دن مجرمین پر آنے والی ایک مصیبت کا بیان ہو رہا ہے کہ اُنھیں خدا کی طرف سے سجدہ کرنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ ایسا ہرگز نہ کر سکیں گے، اور اس طرح اُن کا سجدے پر قادر نہ ہو سکنا اُن پر اتمام حجت اور سب کے سامنے اُن کی فضیحت کا سامان بن جائے گا۔ سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ اس بات کی تمہید میں آخر پنڈلی کے کھل جانے کا کیا موقع ہو سکتا ہے؟

یہ آیت بھی الفاظ کا مجموعی معنی لینے کی ایک اچھی مثال ہو سکتی ہے:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وَمَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا.(التحریم ۶۶: ۱۲)

”اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال پیش کرتا ہے جس نے اپنا دامن پاک رکھا۔“

یہاں 'اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا' کے دو الفاظ آئے ہیں کہ جن کا مطلب ”پاک دامن رہنا“ ہے۔ بعض مترجمین نے ان کا انفرادی ترجمہ کرتے ہوئے ”روکی اپنی شہوت کی جگہ“ اور ”شرم گاہ کی حفاظت کی“ جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حالاں کہ دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ جس طرح عربی محاورے کے بالکل خلاف اور قرآن کے اپنے معیار سے نہایت فروتر ہیں، اسی طرح سیدہ مریم کے لیے ان کا استعمال کرنا بھی کسی طرح موزوں نہیں ہے، اور خاص کر اِس سیاق میں کہ جس میں اُن کی حیا اور عصمت کا بیان ہو رہا ہو۔

۹۔ مخاطِب اور مخاطَب کی تعیین

قرآن کے بعض مقامات پر اس بات کی تصریح نہیں ہوتی کہ کس شخص کے کلام کی حکایت ہو رہی ہے اور اُس کلام کا مخاطب در حقیقت کون ہے۔ اس تعیین کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کلام کی نوعیت پر اور شخصیت کے ساتھ اُس کی مناسبت پر اچھی طرح سے غور و خوض کیا جائے اور ظاہر ہے، اس کے لیے بھی سیاق و سباق ہی اصل قرار پاتا ہے کہ یہی وہ اہم ذریعہ ہے جو ان دو چیزوں کو جاننے کے لیے ہمیں بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَآئِنِيۡنَ. (یوسف ۱۲: ۵۲)

”(یوسف نے کہا): اس سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز یہ جان لے کہ میں نے درپردہ اُس کی خیانت نہیں کی تھی۔“

پچھلی آیت میں عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے اپنے جرم کا اعتراف اور سیدنا یوسف کے بے گناہ ہونے کا بیان ہوا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے متصل بعد 'ذٰلِكَ' سے شروع ہونے والے اس کلام کا صدور کس کی طرف سے ہوا ہے؟ بعض لوگوں نے محض اس بنیاد پر کہ پیچھے عزیز مصر کی بیوی کا ذکر صراحتاً آ گیا ہے اور یہاں کوئی ایسا قرینہ بھی نہیں ہے کہ ان دو باتوں کو دو الگ شخصیات کی طرف سے مانا جائے، اُنھوں نے اس کا مخاطِب بھی اُس عورت کو قرار دے دیا ہے۔ دراں حالیکہ اس سے اگلا قول کہ جو خیانت کرتے ہیں اللہ اُن کی چال کبھی چلنے نہیں دیتا، اور یہ کہنا کہ میں کچھ اپنے نفس کی براءت نہیں کر رہا، نفس تو برائی پر اکساتا ہی ہے، الّا یہ کہ جب میرا پروردگار رحم فرمائے، اور یہ بات کہ میرا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے اور اس کی شفقت ابدی ہے؛ یہ سب باتیں سیدنا یوسف جیسی شخصیت کی طرف سے تو مانی جا سکتی ہیں، مگر اُس عورت کی طرف سے ہر گز نہیں جس کے

بارے میں سیاق وسباق بتاتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کی حد درجہ بے وفا ہے، پردے کی اوٹ میں اور بھری محفلوں میں بھی سیدنا یوسف کو گناہ پر مائل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے، محض ہوس کی ماری ہے کہ پکڑے جانے پر سارا مدعا اپنے ''محبوب'' پر ڈال دیتی ہے، اور یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی وہ یوسف ؑ کو منانے کے لیے اس درجہ پستی میں اتر جاتی ہے کہ انکار کرنے کی صورت میں وہ اُسے زنداں میں ڈال دینے کی دھمکیاں دینے لگتی ہے۔ سو لفظوں میں صراحت نہ ہونے کے باوجود موقع کلام کی یہ واضح دلالت ہی ہے کہ البیان میں قوسین کے اندر یوسف ؑ کے مخاطِب ہونے کی صراحت کر دی گئی ہے۔

اوپر کی آیت مخاطِب کی مثال تھی۔ ذیل کی آیت مخاطَب کی تعیین کرنے کی ایک اچھی مثال ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرہ ۲: ۲۱)

''لوگو، تم اپنے اُس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے اور تم سے پہلوں کو بھی، اس لیے کہ تم (اُس کے عذاب سے) بچے رہو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس آیت میں 'يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ' کے الفاظ میں کن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے؟ عام طور پر مترجمین نے یا تو اس کی تعیین نہیں کی یا اس سے پچھلی آیات کے مخاطَبین مراد لے لیے ہیں یا یہ کیا ہے کہ اس سے تمام انسانوں کو مراد لے لیا ہے۔ اس کے برخلاف، البیان میں اس سے مدینہ اور اس کے نواح کے مشرکین مراد لیے گئے ہیں اور اس کی دلیل خود سیاقِ کلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ جس طرح سے اِن لوگوں کے سامنے توحید کی دعوت کو پیش کیا اور شرک کا رد کیا اور انھیں قرآن کی مثل کلام بنا لانے کے لیے کہا گیا اور اسی طرح ان کے پتھروں میں ڈھلے ہوئے خداؤں کے دوزخ میں جلنے کا بیان کیا گیا ہے؛ اس سے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ خطاب تمام بنی نوع انسان یا پیچھے مذکور اہل کتاب کے بجاے مدینہ کے مشرکین ہی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

[باقی]

ڈاکٹر عرفان شہزاد

خدا کی رحمت اور عدل: ایک حقیقت کے دو نام

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

فطرت الٰہی اور فطرت انسان کی مشترکہ اساسات اور احساسات

فطرت الٰہی کو جاننے اور سمجھنے کا راستہ فطرت انسانی ہے:

فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا. (الروم ۳۰:۳۰)

''تم اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کی پیروی کرو، جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔''

اخلاقیات اور جمالیات کے باب میں انسانوں کی فطرت میں پائے جانے والے بنیادی اور مشترکہ احساسات اور ان کی اساسات فطرت الٰہی پر مبنی ہیں۔ انسان اسی چیز کو اچھا اور برا سمجھتا ہے جو فطرت الٰہی سے اسے ودیعت ہوا ہے۔ اس کے برعکس کہنا بھی اسی وجہ سے درست ہے کہ انسانی فطرت جسے اچھا اور برا سمجھتی ہے، وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا اور برا ہے۔ یہ ایک منصوص قضیہ ہے۔ اس کے مقابل اس فہم کا نقص یا کوئی نص ہی سے کوئی دلیل پیش کی جائے تو قابل اعتنا ہو سکتی ہے، خیال آرائی کی یہاں کوئی حیثیت نہیں۔

حسن و قبح اور عدل و ظلم کا معیار

حسن و قبح اور عدل و ظلم معروض میں موجود تصورات نہیں ہیں، جنھیں انسان خارج سے اخذ کرتا ہے اور جن کی پابندی خدا پر بھی لازم ہو، یہ فطرت الٰہی سے پھوٹے تصورات ہیں، جن کا پرتو انسانی فطرت میں آیا ہے

اور اس وجہ سے ان کی پیروی اور پابندی انسان خود پر لازم سمجھتا ہے۔ یہ احساسات تمام انسانیت کا مشترک ورثہ اور اثاثہ ہیں، اسی لیے یہ عالم گیر سطح پر یکساں ہیں۔

عدل و ظلم، حسن و قبح اور نیکی و بدی کے تصورات اور احساسات کی انسانی فطرت اور ذہن میں موجودگی کے بارے میں کوئی بحث نہیں، البتہ ان کی تعریف اور اطلاقی صورتوں کی تعیین میں اختلاف اور مباحثہ ہوتا ہے۔ فلاسفہ کے ایک محدود گروہ، جو کسی بھی تصور اور قدر کی آفاقیت اور استقلال کے قائل نہیں، کو چھوڑ کر ایسا کبھی نہیں سمجھا جاتا کہ یہ طے کیا جائے کہ عدل کوئی قدر ہے بھی یا نہیں، یا ظلم کوئی تصور ہوتا ہے یا نہیں اور اسی طرح نیکی اور بدی کوئی تصور رکھتے ہیں یا نہیں۔ البتہ یہ مباحثہ ہوتا ہے کہ فلاں معاملے میں عدل کی کون سی صورت عدل کہلائے گی اور کیا چیز ظلم بن جائے گی اور یہ کہ کوئی فعل درحقیقت نیکی ہے یا نہیں۔ تعریف اور اطلاق میں اختلاف سے تصور باطل نہیں ہو جاتا۔ احساس اور تصور کی سطح پر انسانوں کا ہمہ گیر اتفاق اس پر ایک عالم گیر شاہد ہے۔

عدل و رحمت سے محبت اور ظلم اور ناانصافی سے نفرت کا تجربہ چند ماہ کے بچوں تک میں کر لیا گیا ہے[1، 2]۔ ہمیں بچوں میں ان احساسات کو منتقل نہیں کرنا پڑتا، بلکہ ان کے اندر موجود ان احساسات کے اطلاقات کے وقت ان کی ابتدائی رہنمائی کرنا ہوتی ہے۔ انھیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اچھائی اور برائی کے احساسات کیا ہوتے ہیں، انھیں صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں اور فلاں چیز کیوں اچھی یا بری ہے۔ لیکن اچھائی اور برائی ہوتی کیا ہے، اس کو موضوع نہیں بنانا پڑتا۔ یہ اس لیے کہ ان کا علم فطرت سے وہ اسی طرح لے کر آتے ہیں، جیسے بھوک پیاس اور زبان سیکھنے اور بولنے کی جبلت لے کر آتے ہیں۔ ماحول سے وہ تصورات کے اطلاقات سیکھتے ہیں، تصورات نہیں سیکھتے، وہ پہلے سے ان میں موجود ہوتے ہیں۔

خدا کی رحمت و عدل

حسن و قبح کے یہ مشترک احساسات اور ان کی اساسات، انسانوں کی ایک دوسرے کے درمیان اور خدا اور بندے کے درمیان مکالمہ اور مخاطبہ کی بنیاد اور ذریعہ ہیں۔ خدا اور انسان کی فطرت کے درمیان یہ احساسات اور

1. https://www.youtube.com/watch?v=FRvVFW85IcU

2. Hamlin, J., Wynn, K. & Bloom, P. Social evaluation by preverbal infants. *Nature* 450, 557–559 (2007). https://doi.org/10.1038/nature06288

ان کی اساسات کا اشتراک اگر نہ ہو تو بندوں کو یہ باور کرانے کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا کہ خدا رحم اور عدل کرنے والا ہے اور ظلم نہیں کرتا، جب کہ رحم، عدل اور ظلم کے مفاہیم اور ان کا میرٹ وہ نہیں جو انسان سمجھ سکتے ہیں۔

خدا کا رحم اور عدل کرنا، ظلم نہ کرنا اور اپنے وعدے پورے کرنے کے مفاہیم وہی ہیں جو انسانی عقل و فطرت سمجھتی ہے۔ خدا کے ان فرامین کے باوجود خدا کو کسی ضابطے کا پابند نہ سمجھنا یا انسانی فہم میں پائے جانے والے ان ضابطوں سے اسے بے نیاز سمجھنا بے بنیاد عقلی تجاوز ہے۔ یہ غلط فہمی خدا پر بھروسے اور اس بھروسے پر اس کی اطاعت کرنے اور اس پر امید جزر کرنے اور اس کے ڈر سے اس کی معصیت سے بچنے اور معصیت پر سزا کے خوف کی ساری خدائی اسکیم کو عملاً معطل کر دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ خدا کو ظالم یا لاابالی سمجھ کر اس سے ناراض ہو جانے یا اسے نظر انداز کرنے یا اباحیت کی صورت میں نکلنا بدیہی ہے۔

خدا کی رحمت اور عدل کے اصولوں کی اطلاقی صورتوں کے پیچھے اس کے علم اور حکمت کا احاطہ نہ کر سکنے کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ خدا کے ہاں رحمت اور عدل کے مفاہیم ہی کوئی اور ہیں۔ یہ ایسی ہی غلط فہمی ہے، جیسے کسی عدالتی فیصلے کی تفصیلی جانکاری کے بنا یہ سمجھ لیا جائے کہ فیصلہ میرٹ پر نہیں ہوا ہوگا یا میرٹ ہی کوئی اور مقرر کیا گیا ہوگا جو عام انسانی فہم سے بالاتر کوئی تصور ہے۔

خدا کسی قبیح کا ارتکاب نہیں کرتا، کیونکہ ہر قبیح ظلم ہے اور اس نے اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی ہے۔ قبیح کا ارتکاب نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا، بلکہ یہ ہے کہ قبیح کا ارتکاب کرنا اس کی شان کے لائق نہیں، یعنی وہ شان جو اس نے خود بیان کی ہے۔ قدرت ہونے کے باوجود قبیح کا ارتکاب نہ کرنا خدا کو ہماری نظر میں عظیم بناتا ہے، ورنہ مجبور کے لیے قبیح کا ارتکاب نہ کرنا کوئی کارنامہ نہیں۔ یہی بات اس کو مہربان خدا بناتی ہے جس سے محبت کی جا سکتی ہے، ورنہ صرف عظمت صرف خوف اور خشیت پیدا کرتی ہے۔

دنیا کی تخلیق اور مشیت خداوندی

دنیا کی تخلیق کے منصوبے کی اساس خدا کی مشیت ہے اور اس کا مقصد بندوں پر عنایات کرنا ہے۔ یہ مشیت خدا کی صفات کے اظہار اور اس کی ہمہ گیر عبودیت کے لیے برپا کی گئی ہے، نہ کہ محض رحمت کے اظہار کے لیے۔ مشیت رحمت محض نہیں، بلکہ عدل کے ساتھ گندھی ہوئی ہے۔ یہ محض رحمت ہوتی تو دکھ اور تکلیف نہ ہوتے۔ دکھ اور تکلیف نہ ہوتے تو خدا کی صفات رحمت، عدل اور کرم کا ظہور نہ ہوتا۔ خدا کی اس اسکیم میں بشمول انسان سب مخلوقات کو دکھ اور تکلیف سے بھی گزرنا پڑا۔ یہ سب انسان کو سامنے رکھ کر نہیں، بلکہ خدا کی صفات کے

اظہار کے لیے بنایا گیا ہے۔

ساری کائنات خدا کے سامنے تسلیم ہے، سوائے انسان اور جن کے عقلی وجود کے، جسے اس نے ارادہ و اختیار دے کر اپنے سامنے تسلیم ہو جانے کی دعوت دی ہے۔

دنیا میں آزمایش کا اصول

دنیا کا نظام اصول آزمایش پر ہے جس میں عدل نہیں ہے۔ اسی سے عدل کا تقاضا پیدا ہوتا ہے جو آخرت کے برپا کرنے کو لازم بنا دیتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خدا عادل ہے، ورنہ آخرت میں عدالت لگانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ آزمایش کا قانون عدل پر مبنی نہیں ہے۔ عدل ہو تو آزمایش نہیں ہو سکتی۔ البتہ آزمایش کے خاتمے پر جزا اور سزا کا قانون مل کر اسے مطابق عدل اور عنایت رحمت کا مظہر بناتا ہے۔

ہمارے ہاں خدا کے وکیلوں کو دنیا میں بھی خدا کا افعال اور اسکیم کو مطابق عدل ثابت کرنے کی فکر دامن گیر رہی جس کے لیے انھوں نے عجیب تاویلات کیں۔ انھوں نے خدا کو ظلم سے بری قرار دینے کے لیے اس کی ذات کے لیے عدل کے فطری اور معروف تصورات ہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ خدا کی آزاد ذات پر یہ پابندیاں نہیں لگائی جا سکتیں اور یہ کہ یہ انسانوں کے معیارات ہیں، حالاں کہ یہ فطرت کے معیارات تھے جنھیں خود خدا نے ودیعت کیا تھا اور انسان کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے انسان کے ذہن میں انھی تصورات کی بنیاد پر خود کو عدل و رحمت کرنے والا اور ظلم نہ کرنے والا قرار دیا تھا۔ ایک بار جب خدا عدل کے معروف تصور کا پابند نہ رہا تو اس کی زد پھر آخرت کے تصور عدل پر بھی پڑی اور وہاں بھی خدا عدل کے تقاضوں سے آزاد قرار دے دیا گیا۔ یہ نظریہ خدا، دین اور مسلمان تینوں سے نادان دوستی پر مبنی تھا۔ خدا لاابالی ٹھیرا، جس کو چاہے سزا دے جس کو چاہے جزا دے، دین کے اوامر و نواہی کی پاس داری کارِ اضافی قرار پائے۔ خدا کے وعدے اور وعیدیں، دونوں کے پورا کرنے کی پابندی خدا پر نہیں رہی۔ خدا سے امید اور خوف، دونوں کی بنیاد ہی نہ رہی تو اعمال اور اطاعت اپنا جواز کھو بیٹھے۔ مسلم ذہن خدا کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو گیا۔ خدا عنایت کر دے تو نجات مل جائے گی، مگر خدا قہر نازل کر دے تو کیا کیا جائے، اس سے بچنے کے لیے اس نے سہارے تلاشے اور تراشے یا وہ سرے سے مایوس ہو کر رہ گیا۔

میرٹ کا اصول اور تقاضے

حقیقت خدا کے اپنے بیان میں اس کے برعکس تھی۔ اس کی رحمت نے چاہا کہ انسانوں کو ابدی نعمتوں سے نوازے، مگر اس نوازش کو اس نے اعزاز بنایا جسے میرٹ پر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس میرٹ کے لیے اس

نے انسان کو اچھائی اور برائی کی سمجھ اور ارادہ اور اختیار دے کر آزمایش کا قانون بنایا۔ یہ اس کی مشیت تھی۔

آزمایش کا میرٹ خدا کی شان اور عنایات کے مطابق نہیں، بلکہ انسان کی استطاعت کے مطابق مقرر کیا گیا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (البقرہ ۲:۲۸۶)

"اللہ کسی پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔"

یہ رحمت ہے، لیکن یہی عدل ہے۔ ایسے ہی جیسے ہم میٹرک کے طالب علم سے ماسٹرز کی سطح کا امتحان نہیں لیتے۔

اس آزمایش کے لیے انسان کی تخلیق کا مقصد اسے میرٹ کی بنیاد پر کامیاب کرنا ہے:

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ. (الملک ۶۷:۲)

"(وہی) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور وہ زبردست بھی ہے اور درگذر فرمانے والا بھی۔"

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عدل سے مراد مساوات اور یکسانیت نہیں ہے۔ میرٹ کا سب کے لیے یکساں ہونا ظلم ہے، عدل نہیں۔ بے لاگ اور اندھا انصاف کرنا اور مستحق کو رعایت نہ دینا ظلم ہے، عدل نہیں۔ مستحق کے لیے سفارش قبول کرنا بھی عدل کا تقاضا ہے۔ دوسرے پہلو سے دیکھیے تو یہی سب رحمت ہے۔ یہ سفارش نہ بے قاعدہ ہے نہ بے محابا اور نہ اتنی زور آور کہ خدا کو فیصلہ بدلنے پر مجبور کر سکے، ورنہ یہ ظلم کی وکالت بن جائے گا:

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ؕۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا. (النبا ۷۸:۳۸)

"اُس دن، جب فرشتے اور جبریل امین، سب اُس کے حضور میں صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اُس دن، جب وہی بولیں گے جنھیں رحمٰن اجازت دے اور وہ صحیح بات کہیں۔"

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ. (البقرہ ۲:۲۵۵)

"کون ہے جو اُس کی اجازت کے بغیر اُس کے حضور میں کسی کی سفارش کرے۔ لوگوں کے آگے اور پیچھے کی ہر چیز سے واقف ہے اور وہ اُس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے، مگر جتنا وہ چاہے۔"

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ.(الزخرف ۴۳:۸۶)

’’اُس کے علاوہ یہ جنھیں پکارتے ہیں، وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں، جو حق کی گواہی دیں گے اور وہ اُس کو جانتے بھی ہوں گے۔‘‘

یعنی جن کو سفارش کی اجازت ملے گی، وہ خلاف حق کچھ نہیں کہیں گے۔

آزمایش کے قانون کا لازمی نتیجہ کامیابی کے ساتھ ناکامی، نیکی کے ساتھ بدی اور عدل کے ساتھ ظلم کی صورت میں نکلنا تھا۔ یہ سب اس آزمایش کی اسکیم کا حصہ ہے۔ اس سے رحمت اور عدل کا تقاضا پیدا ہوا کہ نیکوکاروں کو پورا صلہ ملے جو آزمایش گاہ میں نہیں ملتا اور مظلوموں کی داد رسی ہو جو یہاں نہیں ہو پاتی۔ یہ رحمانیت کا تقاضا تھا جو عدل پر منتج ہوتا ہے۔ یوں آخرت کا جواز پیدا ہوا جہاں پورا عدل بروے کار لایا جائے۔ ایسا نہ ہو تو دنیا اپنی تمام تر تکوینی معنویت کے باوجود عبث قرار پاتی اور خدا لاابالی ظالم، اور غیر حکیم ثابت ہوتا ہے جس نے نیکوکاروں کو پورا صلہ نہیں دیا، ہوس کے بچاریوں کو زیادہ پر لطف زندگی گزارنے کا موقع دیا اور مظلوموں کی داد رسی کا انتظام نہ کر کے ظالم کی حوصلہ افزائی کی۔

ظالم کو معافی اور رعایت دینا مظلوم کے حق میں ظلم ہے۔ ظالم و مظلوم، دونوں خدا کی رحمت و عنایت کے مستحق ٹھیریں تو یہ ظالموں کی حوصلہ افزائی ہے، جس سے ان کو مظلوم پر زیادتی کرنے کی شہ ملتی ہے کہ اس کے لیے بھی امکان نجات و عنایت موجود ہے۔ یوں خدا ظالم کا سہولت کار بن کر ظالم ٹھیرتا ہے، جب کہ اس نے خود پر رحمت لازم کر رکھی ہے۔

اس لحاظ سے دیکھیے تو رحمت اور عدل ایک دوسرے میں ممزوج اور مترادف ہیں اور رحمت، یعنی کہ عدل کرنا خدا نے خود پر لازم قرار دے دیا ہے:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِّلّٰهِ ط كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ط لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ.(الانعام ۶:۱۲)

’’اِن سے پوچھو، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، وہ کس کا ہے؟ کہہ دو، اللہ ہی کا ہے۔ اُس نے اپنے اوپر رحمت لازم کر رکھی ہے۔ وہ تم سب کو جمع کر کے ضرور روز قیامت کی طرف لے جائے گا جس میں کوئی شبہ نہیں۔ اِس کو وہی لوگ نہیں مانتے جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کر لیا ہے۔‘‘

وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ.(الانبیاء ۲۱:۴۷)

”روز قیامت کے لیے ہم انصاف کی ترازو رکھ دیں گے۔ پھر کسی جان پر ذرا بھی ظلم نہ ہو گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہو گا تو ہم اُس کو لا موجود کریں گے۔ اور ہم (لوگوں کا) حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔“

میرٹ پر سب کو داخلہ مل جانا میرٹ پر آنے والوں کے ساتھ فریب ہے۔ نیک و بد، سب خدا کی رحمت اور عنایت سے بہرہ مند ہوں تو یہ نیکوکاروں کے ساتھ دھوکا ہے کہ نفس کے تقاضوں کے خلاف خدا کی مرضیات پر چلنے والے، نفس کے پجاریوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے کر دیے جائیں۔ دونوں کے نیک اور بد انجام میں فرق ہونا رحمت بھی ہے اور عدل بھی۔ چنانچہ خدا نے یہی بتایا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا:

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ كَالۡمُجۡرِمِيۡنَ. مَا لَكُمۡ ۚ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ. اَمۡ لَكُمۡ كِتٰبٌ فِيۡهِ تَدۡرُسُوۡنَ. اِنَّ لَكُمۡ فِيۡهِ لَمَا تَخَيَّرُوۡنَ. اَمۡ لَكُمۡ اَيۡمَانٌ عَلَيۡنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمۡ لَمَا تَحۡكُمُوۡنَ. سَلۡهُمۡ اَيُّهُمۡ بِذٰلِكَ زَعِيۡمٌ.(القلم ۶۸:۳۵-۴۰)

”(تم سمجھتے ہو کہ یہ نہیں ہو گا) تو کیا ہم اپنے فرماں بردار بندوں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟ تمھیں کیا ہوا ہے، تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جو تم پسند کرو گے؟ کیا تمھارے لیے ہم پر کوئی قسمیں ہیں جو قیامت تک چلی جائیں گی کہ تمھارے لیے وہی کچھ ہے جو تم حکم لگاؤ گے؟ اِن سے پوچھو کہ اِن میں سے کون اِس کا ذمہ لیتا ہے؟“

اس لحاظ سے رحمت اور عدل کی حقیقت ایک ہے۔ ایسی رحمت جو عدل سے بے نیاز ہو، خود رحمت کے منافی ہے۔ رحمت اور عدل ایک دوسرے کو متوازن نہیں کرتے، نہ یہ متخالف اور متصادم ہیں، بلکہ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا ناقص، بلکہ باطل ہو جاتا ہے۔ کامل عدل رحمت کے بغیر ممکن نہیں اور رحمت بغیر عدل کے نہیں ہے۔

اس آزمایش میں میرٹ کی شرط عدل پر مبنی ہے۔ البتہ رحمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ انسان کی خلقی مجبوریاں جیسے نسیان اور جذبات کے تصرف، اور نفس اور شیطان کی ترغیبات کے مقابلے میں رعایات بھی دی جائیں اور ان

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

موانعات کے مقابلے میں میرٹ پر آنے کے لیے سہولت بھی مہیا کی جائے۔ چنانچہ، علم و عمل میں نسیان اور دیانت دارانہ خطا پر بلا مشروط معافی اور جذبات کی مغلوبیت میں جرم کا ارتکاب اور اس کے فوراً بعد ندامت پر لازمی درگذر کا اصول بتایا گیا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِيۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا. (البقرہ ۲:۲۸۶)

''پروردگار، ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو اُس پر ہماری گرفت نہ کر۔''

اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِيۡبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا. (النساء ۴:۱۷)

''اللہ پر توبہ قبول کرنے کی ذمہ داری اُنھی لوگوں کے لیے ہے جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ سو وہی ہیں جن پر اللہ عنایت کرتا اور اُن کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔''

روز قیامت تثلیث کے قائلین مسیحین کے بارے میں خدا اور مسیح علیہ السلام کے درمیان مکالمے کے آخر میں خدا نے اپنا واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ ان میں سے جو لوگ اپنے قول و قرار اور عہد و میثاق میں سچے ثابت ہوئے اور اُنھوں نے جانتے بوجھتے کسی گم راہی پر اصرار نہیں کیا، بلکہ جو کچھ سمجھا، دیانت داری کے ساتھ سمجھا، اُس میں دانستہ کوئی تبدیلی یا تحریف نہیں کی، پھر اپنی استطاعت کے مطابق اُس پر عمل پیرا رہے، اُن کے لیے جنت کی بشارت ہے:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ. قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ. لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ. (المائدہ ۵:۱۱۸-۱۲۰)

''اب اگر آپ اُنھیں سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ ہی زبردست ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔ اللہ فرمائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کی سچائی اُن کے کام آئے گی۔ اُن کے لیے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ زمین و آسمان اور اُن کے اندر تمام موجودات کی بادشاہی اللہ ہی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔‘‘

خدا کی رحمت عدل سے تجاوز تب کرتی ہے جب ایسا کرنا خلاف عدل نہ ہو

خدا کی رحمت عنایت کی صورت میں عدل سے تبھی تجاوز کرتی ہے جب وہ عدل کے خلاف نہ ہو۔ خدا کی رحمت اگر مجرموں کو دنیا میں فوراً سزا نہ دے اور بار بار موقع دے[3]، یا آخرت میں سزا نہ دینے کا یا کچھ سزا دے کر ابدی سزا نہ دینے کا فیصلہ کرلے[4] تو رحمت کا یہ مظہر عدل کے منافی نہیں، مگر یہ کہ وہ ان پر عنایات بھی کرے، یہ عدل کے منافی ہے۔ نیکوکار انعام یافتگان کے مقابل ظالموں اور فاسقوں کی محرومی خود بہت بڑی سزا ہے، جب کہ انعام یافتگان کی نعمتیں ابدی ہوں اور محروموں کی محرومی بھی ابدی ہو۔ خدا اگر ظالموں کو فنا کر دے تو یہ بھی ان کے حق میں رحمت ہے اور یہ عدل کے خلاف نہیں، اس لیے درست بھی ہے۔ یہ سزا بہت ہے کہ انھیں ابدی عنایات نہیں ملیں۔ یہ سب کرنا خدا کا اختیار (عزیز) ہے، مگر خلاف عدل نہیں اور مظہر رحمت بھی ہے۔

سزا اور جزا کے اعلان کی پاس داری میں ایک فرق ہے۔ سزا کے اعلان کی پاس داری نہ کرنا غلط نہیں۔ وعدہ اور وعید میں سے یہ وعدہ ہے کہ جسے اگر پورا نہ کیا جائے تو یہ بد اخلاقی ہے، اس لیے قبیح ہے اور خدا قبیح کا ارتکاب نہیں کرتا، لیکن وعید پر باوجود قدرت اور اختیار کے عمل نہ کرنا عنایت سمجھا جاتا ہے، اس لیے حسن ہے۔ چنانچہ

۳۔ فاطر ۳۵: ۴۵۔ ’وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا‘ (لوگوں کو اُن کے اعمال پر اگر اللہ فوراً پکڑتا تو زمین کی پشت پر کسی جان دار کو باقی نہ چھوڑتا، مگر وہ اُنھیں ایک مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو لازماً پکڑتا ہے، اِس لیے کہ اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے)۔

۴۔ ہود ۱۱: ۱۰۶-۱۰۸۔ ’فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ. خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ‘ (سو جو بدبخت ہوں گے، وہ دوزخ میں جائیں گے۔ اُنھیں وہاں چیخنا اور چلانا ہے۔ وہ اُسی میں پڑے رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، الّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار جو چاہے، کر گزرنے والا ہے۔ رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے۔ وہ اُسی میں رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، الّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے، اُس کی طرف سے ایسی عطا کے طور پر جو کبھی منقطع نہ ہو گی)۔

خدا اگر کسی کو سزا نہ دے تو اسے کسی میعاد کی خلاف ورزی نہیں کہا جائے گا۔ البتہ وہ عنایت بھی کرے، یہ خلاف عدل ہونے کی وجہ سے نہیں ہو گا۔

یہیں سے انبیا کی مشرکین کے لیے دعاے مغفرت کا جواز سمجھ آ جاتا ہے کہ اگر یہ عنایت کے مستحق نہیں، تو کم از کم سزا سے نجات دے دی جائے اور خدا اس کا اختیار رکھتا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ. رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (ابراہیم ۱۴: ۳۵-۳۶)

”(یہ ابراہیم کی اولاد ہیں)۔ اِنھیں وہ واقعہ سناؤ، جب ابراہیم نے دعا کی تھی کہ میرے پروردگار، اِس شہر کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اِس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔ پروردگار، اِن بتوں نے بہت لوگوں کو گم راہی میں ڈال دیا ہے۔ (یہ میری اولاد کو بھی گم راہ کر سکتے ہیں)، اِس لیے جو (اُن میں سے) میری پیروی کرے، وہ تو میرا ہے اور جس نے میری بات نہیں مانی، اُس کا معاملہ تیرے حوالے ہے، پھر تو بخشنے والا ہے، تیری شفقت ابدی ہے۔“

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (المائدہ ۵: ۱۱۸)

”اب اگر آپ اُنھیں (مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی معبود بنانے والوں کو) سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ ہی زبردست ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔“

چنانچہ اگر خدا ظالموں کو عنایات اور انعامات سے محروم کرنے پر اکتفا کر لے یا انھیں فنا کر ڈالے[۵] تو یہ

۵۔ ہود ۱۱: ۱۰۶-۱۰۸۔ ’فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ. خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ‘ (سو جو بد بخت ہوں گے، وہ دوزخ میں جائیں گے۔ اُنھیں وہاں چیخنا اور چلانا ہے۔ وہ اُسی میں پڑے رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خلاف عدل نہیں کہ مظلوم کی دادرسی ظالم کو سزا دینے پر منحصر نہیں، مگر ظالم پر عنایت، خلاف عدل ظالم کی حوصلہ افزائی ہے۔

اسی طرح میرٹ پر آنے کے بعد خدا کی بے پایاں عنایات کا تعلق بھی رحمت سے ہے، مگر یہ عدل کے منافی نہیں، اس لیے روا ہے۔ یہاں بھی، لیکن عدل بالکلیہ خارج نہیں ہوا۔ چنانچہ کسی غیر نبی پر خواہ کتنی عنایات ہو جائیں، وہ نبی کا درجہ نہیں پا سکتا۔

دنیا میں، البتہ عنایات جتنی زیادہ ہوتی ہیں، میرٹ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

وحی سے مزید سہولت کی عنایت اور میرٹ میں اضافہ

وحی کے علم کے ذریعے سے انسانوں کے لیے عدل کے قیام میں مزید سہولت بھی فراہم کی گئی:

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ. (الشوریٰ ۴۲: ۱۷)

”اللہ ہی ہے جس نے اپنی یہ کتاب قول فیصل کے ساتھ اتاری ہے اور (اِس طرح حق و باطل کو الگ الگ کرنے کے لیے) اپنی میزان نازل کر دی ہے۔“

وحی کو ہدایت اور نور کہا گیا، جو نفس اور جہالت کے ظلمات سے انسان کو عقیدے اور عمل کی درست اور متوازن راہ دکھائے۔

وحی کی عنایت ہوتے ہی انسان کے میرٹ میں اضافہ کر دیا گیا۔ ہر فرد کی جانچ اس کے میسر علم کے بقدر ہونے کا عادلانہ اصول مقرر ہوا تو وحی کے حاملین کا میرٹ بھی غیر حاملین سے زیادہ مقرر ہوا۔ عنایت (رحمت) اور عدل یہاں بھی باہم ممزوج ہیں۔ وحی کو براہ راست پانے والے انبیا کے محاسبے اور میرٹ کا معیار استدلال کی

ہیں، الّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے۔ اِس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار جو چاہے، کر گزرنے والا ہے۔ رہے وہ جو نیک بخت ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے۔ وہ اُسی میں رہیں گے، جب تک (اُس عالم کے) زمین و آسمان قائم ہیں، الّا یہ کہ تیرا پروردگار کچھ اور چاہے، اُس کی طرف سے ایسی عطا کے طور پر جو کبھی منقطع نہ ہو گی)۔

جنت اور دوزخ کے ساتھ 'مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ' کی تحدید واقع ہوئی ہے، اس سے ان کے غیر ابدی ہونے کا جو وہم پیدا ہوتا ہے، اس میں سے صرف جنت سے متعلق اس وہم کو یہ کہہ کر دور کیا گیا ہے کہ یہ غیر منقطع ہو گی، مگر دوزخ کے بارے میں اس وہم کو دور نہیں کیا گیا۔

راہ سے وحی وصول کرنے والے عام لوگوں کے مقابلے میں کہیں بلند رکھا گیا۔ یونس علیہ السلام وحی کے براہ راست مخاطب تھے، انھیں ایک خطا پر مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا گیا، پھر جب ندامت اور توبہ کی تو معافی ملی، ورنہ وہی ان کا مدفن قرار پا گیا تھا۔ ادھر ان کی قوم شرک جیسے شدید گناہ اور اس پر سرکشی کے باوجود بغیر سزا کے محض توبہ کرنے پر معافی کی مستحق قرار پائی۔

خدا کی رحمت اس کے غضب پر بڑھی ہوئی ہے، اس کے عدل پر نہیں۔

اخلاق و شرع اور عدل و رحمت

کائنات کا تکوینی نظام میزان عدل پر قائم ہے۔ اس میں معمولی تغیر عظیم فساد کا سبب بنتا ہے۔ انسان کو ارادہ اور اختیار، نسیان اور جہالت کے عوارض اور نفس اور شیطان کی ترغیبات دے کر نظام زندگی میں اسی میزان عدل کو قائم کرنے کی آزمایش میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اس میں فطرت اور وحی کی رہنمائی سے انحراف فساد کا سبب بنتا ہے:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِیۡزَانَ. اَلَّا تَطۡغَوۡا فِی الۡمِیۡزَانِ. وَاَقِیۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِیۡزَانَ. (الرحمٰن ۵۵: ۷-۹)

’’اور اُس نے آسمان کو اونچا کیا اور اُس میں میزان قائم کر دی کہ (اپنے دائرۂ اختیار میں) تم بھی میزان میں خلل نہ ڈالو۔ اور انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور وزن میں کمی نہ کرو۔‘‘

یہ اخلاقیات اور قانون کی میزان ہے۔ قانون کی بنیاد بھی اخلاقیات ہوتی ہے۔ اس میزان کے توازن میں کوتاہی اور خلاف ورزی بھی فسادات کا سبب بنتی ہے۔ یہی فساد آخرت تک ممتد ہو جاتا اور انسان کو دنیا اور آخرت، دونوں کے خسران میں ڈال دیتا ہے۔

اخلاق و شرع، دونوں میں وحی کی ہدایات اور احکامات عدل اور رحمت کا امتزاج ہیں۔ عقیدے کے باب میں خدا کے وجود کو تسلیم کرنا اور اس بنا پر اس کی عبادت کرنا عقل و فطرت کا تقاضا بن کر سامنے آتا ہے تو دیانت داری کا تقاضا اسے تسلیم کرتے ہوئے اس کے مقتضیات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ یہی عدل ہے۔ وحی اسی عقلی استدلال کی طرف متوجہ کرنے کی سہولت فراہم کرتی ہے۔ یہ سہولت خدا کی رحمت سے صادر ہونے والی عنایت ہے تاکہ انسان عقل کی عدالت کا فیصلہ تسلیم کرے۔

سماجی اخلاقیات کے باب میں سچی گواہی دینا، عداوت کے باوجود حق پر قائم رہنا عدل ہے، سچ بولنا، جھوٹ سے بچنا، یہی میزان عدل کو قائم کرنا ہے، وحی اسی کی دعوت دیتی ہے۔ یہ دعوت رحمت کا نتیجہ ہے کہ انسان

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عدل قائم کر سکے۔

قانون کے باب میں فرائض کو استطاعت کے ساتھ متعلق کرنا اور حالت اضطرار میں احکام میں نرمی اور گنجایش اور ان کا معاف ہو جانا عدل کے اصول پر ہے اور یہ سب رحمت کا نتیجہ اور تقاضا بھی ہے۔ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے دیکھا نہیں جا سکتا۔

انسان میں مکارم اخلاق کا حاسہ آگے بڑھ کر زیادہ اور بے لوث نیکی کرنا چاہتا ہے۔ وحی اس کی حوصلہ افزائی اور ترغیب دیتی ہے۔ یہ سراسر رحمت ہے۔ اس نیکی کا صلہ دینا، البتہ عدل اور حمت کا تقاضا ہے۔

خدا کے فیصلے اعمال کی گنتی پر نہیں، رویوں کی حقیقت پر کیے جائیں گے۔ یہ حکیمانہ عدل بھی ہے اور رحمت بھی۔

تسلیم و انکار کے رویوں کے دو درجے

تسلیم و انکار کے رویوں کے دو درجے ہیں: تسلیم کے دو درجے —— خود سپردگی (اسلام) اور احسان (اعلیٰ درجے کی خود سپردگی) —— اور انکار حق کے دو درجے —— غفلت پر اصرار اور سرکشی (غفلت پر اصرار میں جارحانہ رویہ دکھانا) —— ہیں۔ غفلت پر اصرار بھی سرکشی ہی کی ایک صورت، مگر شدت اور جارحیت میں کی سرکشی سے ایک درجہ کم ہے۔ تسلیم و انکار کے رویے کامیابی اور ناکامی کا معیار ہیں، جنھیں خدا کے علم کی روشنی میں عدل کے تقاضوں کے مطابق برتا جائے گا۔ رعایت کے مستحق رعایت پائیں گے اور میرٹ پر آنے والے بے پایاں عنایت سے سرفراز ہوں گے۔ غیر مستحق اور میرٹ پر نہ آنے والے سزا کے مستحق اور اس کی عنایات سے محروم رہیں گے۔ یوں رحمت اور عدل کے تقاضے پورے ہوں گے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خلاصہ یہ کہ خدا کی رحمت و عدل کو ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا اور خدا کو اس کے اصولوں پر سمجھوتا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

مشفق سلطان*

ہندو مذہبی صحائف میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

ایک تنقیدی جائزہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسلمانوں میں اس بات کی بڑی شہرت ہو گئی ہے کہ ہندو مذہبی کتابوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے متعلق واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ایک زمانے میں میرا بھی یہی خیال تھا اور اس کو بڑے زور کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان بھی کرتا رہا۔ تاہم بعد میں جب براہ راست ہندو صحائف کے مطالعے کا موقع ملا اور ان پیشین گوئیوں کے بارے میں ہمارے مبلغین کی تاویلات کو دقت نظر کے ساتھ پرکھا تو اپنی سابقہ رائے کو تبدیل کر لیا۔ پچھلے سالوں میں کئی بار اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہندو مذہبی متون کو اپروچ کرنے کا جو نہج بعض مسلم مبلغین نے اختیار کیا ہے، وہ انتہائی سطحی اور ناقص ہے۔ ان شخصیات سے والہانہ عقیدت کی بنا پر مسلمانوں نے بلا تحقیق ان کی باتوں کو اختیار کر لیا اور ہندو عوام سے مکالمے (بلکہ مناظرے) کے لیے اکثر لوگ انھی باتوں کو استعمال کرتے رہے اور اب بھی کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں تحقیقی ذوق پہلے ہی مفقود ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ جب کوئی مسلمان سنسکرت کی کتابوں کے حوالے دے کر، کچھ منتروں کو (اکثر غلط تلفظ کے ساتھ) دہرا کر اسلام کی صداقت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو داد تحسین ضرور حاصل ہوتی ہے۔ میں

* اسسٹنٹ فیلو، المورد۔

نے کئی بار ارادہ کیا کہ میں اس بارے میں کوئی مضمون لکھوں، لیکن اپنی مصروفیت اور صحت کے بعض مسائل کی وجہ سے نہیں لکھ سکا۔ اپنی آیندہ تحریروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان مزعومہ پیشین گوئیوں پر میں اپنا تجزیہ پیش کروں گا۔ سب سے پہلے 'کلکی اوتار' کی پیشین گوئی کو دیکھتے ہیں، جس کا مصداق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ٹھیرایا جاتا ہے۔

'کلکی اوتار' کی پیشین گوئی 'پُران' (Purana) نامی کتب میں موجود ہے۔ ہندو مذہبی کتب میں ان کی استنادی حیثیت اتنی مضبوط نہیں ہے۔ تاہم عوام الناس میں یہی کتابیں زیادہ مقبول ہیں۔ کلکی اوتار سے متعلق پیشین گوئی بنیادی طور پر 'بھاگوت پران' اور خاص اسی موضوع پر اسی نام سے موسوم 'کلکی پران' میں موجود ہے۔ انھی دو کتابوں کو سامنے رکھ کر ہم اس پیشین گوئی کا تجزیہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ کیا فی الواقع ان میں مذکور تفصیلات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے مطابقت رکھتی ہیں، جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے، یا نہیں۔

کلکی اوتار کے والدین

तत् श्रुत्वा पुण्डरीकाक्षो ब्रह्मानमिदमब्रवीत् शम्भले विष्णुयशसो गृहे प्रादुर्भावाम्यहम् सुमत्यां मातरि विभो! पत्नीयां तवन्निदेशतः

"پنڑری کاکش وِشنو بھگوان برہما جی کی ان باتوں کو سن کر برہما جی سے کہنے لگے کہ میں تمھارے کہنے سے 'شَمبھل' نامی گاؤں میں 'وِشنویَش' نام والے براہمن کے گھر 'سُمَتی' نامی براہمن کی بیٹی کے حمل سے پیدا ہوؤنگا۔" (کلکی پران، ادھیاے ۲، اشلوک ۴)

"تب وشنویش سے سُمتی حاملہ ہوئی، اس طرح کہ ان کے رحم میں وشنو بھگوان ودیہ مان ہوئے۔"

(کلکی پران، ادھیاے ۲، اشلوک ۱۱)

اس اشلوک میں وشنو کے کلکی اوتار کے والد کا نام 'وِشنویَش' (Vishnu Yash) اور والدہ کا نام 'سُمَتی' (Sumati) بتایا گیا ہے۔

ان ناموں کے بارے میں ہمارے مبلغین فرماتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اسماء کے سنسکرت بدل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ کلکی اوتار کے والد کا نام 'وِشنویَش' (विष्णुयश) آیا ہے جس کے معنی 'اللہ کے بندے' کے ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک وِشنو سے مراد اللہ ہے اور یَش کے معنی بندے کے ہیں۔ لیکن

حقیقت میں سنسکرت زبان کے لفظ 'یَش' کا مطلب 'بندہ' نہیں ہے، بلکہ اس لفظ کے معنی 'جلال' یا 'عظمت' کے ہیں، تو 'وشنو یَش' کے معنی ہوں گے: 'وشنو کا جلال' یا 'وشنو کی عظمت'۔ کسی شخص کا اگر یہ نام ہو تو اس کا مطلب ہو گا: وہ جس کے اندر وِشنو کا جلال یا عظمت ظاہر ہو۔ اس کا عربی مترادف 'عبد اللہ' نہیں، بلکہ 'جلال اللہ' یا 'بہاء اللہ' ہو گا۔

اسی طرح کلکی اوتار کی والدہ کا نام 'سُمتی' (सुमति) بتایا گیا ہے۔ اس پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نام کے معنی 'امانت دار' یا 'امن والی' کے ہیں اور عربی میں اسے 'آمنہ' کہیں گے۔ یہ معنی بھی محل نظر ہیں۔ سنسکرت لغت میں 'متی' (मति) کے معنی 'عقل'، 'فہم' یا 'علم' کے آتے ہیں۔ 'سُ' (सु) ایک سابقہ (उपसर्ग) ہے جو کسی صفت سے قبل آنے پر ایک چیز کو مثبت انداز میں اس صفت سے متصف بناتا ہے۔ تو لفظ 'سُمتی' کے معنی ہوتے ہیں: 'علم والی'، 'فہم والی' یا 'عقل والی'۔ 'امن والی' یا 'امانت دار' اس کے معنی نہ جانے کس لغت میں ہیں۔ اس کے عربی مترادفات 'علیمہ'، 'عقیلہ' وغیرہ جیسے الفاظ ہیں۔

لہٰذا کلکی اوتار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ناموں میں مطابقت موجود نہیں ہے، بلکہ خواہ مخواہ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کلکی کا مقام پیدایش

''کلکی پران'' کے اسی اشلوک میں کلکی کا مقام پیدایش 'شَمبھل' (शम्भल/Shambhal) بتایا گیا ہے۔

ہمارے یہ حضرات لکھتے ہیں کہ یہ نام لفظ 'شَم' (शम्) سے بنا ہے جس کے معنی 'امن' کے ہوتے ہیں۔ اور لفظ 'شَمبھل' ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگوں کو امن حاصل ہو۔ اس کے بعد وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کو قرآن مجید میں 'بلد أمین' کہا گیا ہے اور سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۹۷ میں اسی کے بارے میں 'وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا' آیا ہے۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک 'شَمبھل' سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس نام کا کوئی مقام ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ کوئی بھی شخص جو ہندوستان کے جغرافیے سے کسی قدر واقف ہے، جانتا ہے کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ 'شَمبھل' نام کا مقام ہندوستان کی ریاست اُتر پردیش میں دریاے گنگا کے نزدیک واقع ہے۔ اس مقام کے ہوتے ہوئے، لفظ 'شَمبھل' کو اسم کے بجاے صفت قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ زبان کے قواعد کی رو سے اسے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح تو ہر کسی کتاب میں موجود اسما کو صفات قرار دے کر ان کا کچھ سے کچھ

مطلب لیا جا سکتا ہے۔

کلکی کی تاریخ پیدایش

द्वादश्या शुक्लपक्षस्य माधवे मासि माधव जात ददृशतु पुत्र पितरौ हृष्टमानसौ

”بیساکھ مہینے کے پہلے نصف حصے میں بارہویں کے دن بھگوان پیدا ہوئے۔ ان کو پیدا ہوتے دیکھ کے ان کے والدین کو انتہائی مسرت ہوئی۔“ (کلکی پران، ادھیاے ۲، اشلوک ۱۵)

”کلکی پران“ کے اس اشلوک میں کلکی کی تاریخ پیدایش بیساکھ مہینے کی بارھویں بتائی گئی ہے۔ اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ یہ وہی تاریخ ہے جو ہمارے قمری حساب سے ۱۲/ ربیع الاول بنتی ہے، جو کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدایش کے طور پر مشہور ہے۔ لیکن اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل فراہم نہیں کی جاتی جس سے یہ دکھایا جا سکے کہ ۵۷۱ عیسوی کے ۱۲/ ربیع الاول کی مطابقت بیساکھ کی ۱۲ تاریخ سے ہوتی ہو۔

کلکی کی پیدایش اور ابتدائی زندگی سے متعلق چند تفصیلات

”کلکی پران“ میں مذکور کلکی سے متعلق بعض تفصیلات ایسی ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے بالکل بھی مطابقت نہیں رکھتیں۔

ا۔ وِشنویَش براہمن نے کلکی روپ بھگوان کی ترقی اور بہتری کی غرض سے صاف دل ہو کر بڑے بڑے رِگویدی، یجُرویدی اور سام ویدی براہمنوں سے ان کا نام کرن کرایا (ادھیائے ۲، اشلوک ۲۳)۔

ب۔ کلکی بھگوان سے پہلے ان سے بڑے اور تین بھائی پیدا ہوئے تھے۔ ان تینوں کے نام کَوی، پراگیہ اور سُمنترک تھے (ادھیائے ۲، اشلوک ۳۱)۔

ج۔ کلکی کے والد وِشنویَش کلکی کا اُپ نَیَن سَنسکار کر کے ان کو ویدوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گروکل بھیجتے ہیں (ادھیائے ۲، اشلوک ۴۹)۔

د۔ کلکی گروکل میں پرشُرام جی سے روایتی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور چونسٹھ فنون سمیت سانگ اُوپانگ وید اور دھنوروید وغیرہ پڑھتے ہیں (ادھیائے ۳، اشلوک ۶)۔

ان حوالہ جات سے درج ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

ا۔ کلکی کی پیدایش کے وقت ان کے والد زندہ ہوں گے اور ان کا نام خود رکھوائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کی پیدایش کے وقت ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔

۲۔ کلکی کی پیدایش سے قبل ان کے تین بھائیوں کی ولادت ہو چکی ہو گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات درست نہیں ہے۔

۳۔ کلکی کے والد ہندو دھرم کے مطابق اپنے بیٹے کا اپ نین سنسکار کریں گے اور ویدوں کی تعلیم کے لیے باقاعدہ گروکل میں رہنے کے لیے بھیجیں گے، جہاں وہ روایتی تعلیم حاصل کریں گے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، نہ کسی مدرسے میں داخلہ لیا۔

یہ سب تفصیلات بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

کلکی اوتار کی ازدواجی زندگی

''کلکی پران'' میں ہے کہ کلکی کا بیاہ سنگھل دیش کے راجا کی بیٹی پدما سے ہو گا (ادھیائے ۲، اشلوک ۶)۔

''کلکی پران'' میں کلکی کی صرف ایک زوجہ کا ذکر ہے۔ صاف ہے کہ کلکی کی ایک ہی زوجہ ہوں گی اور وہ بھی ان کے اپنی وطن کی نہیں، بلکہ سنگھل دیش، یعنی سری لنکا کی رہنے والی ہوں گی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلوم ہے کہ آپ کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں اور سنگھل دیش سے کسی کا بھی تعلق نہیں تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کلکی اوتار کی صفات

کلکی اوتار کی بعض دوسری صفات اور ان کے ذاتی حالات جو ''کلکی پران'' میں مذکور ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ تنہا ان کی بنیاد پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشین گوئی کا مصداق قرار دیا جا سکے۔ مثلاً یہ کہ کلکی ایک سفید گھوڑے پر سوار ہو کر، ہاتھ میں تلوار لیے تیز رفتاری سے پوری زمین کا سفر کریں گے اور لاکھوں کی تعداد میں ایسے برے لوگوں کا قتل عام کریں گے جو مختلف مقامات پر حکومت کر رہے ہوں گے (بھاگوت پران حصہ ۱۲، ادھیائے ۲، اشلوک ۱۹)۔ اس سے لوگ بہ ظاہر یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو جنگوں میں شریک ہوئے اور اپنے دشمنوں کا قتل کیا۔ اس لیے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کلکی اوتار ہیں۔ اول تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام روے زمین کا سفر ایک گھوڑے پر نہیں کیا اور نہ یہ ایسی کوئی بات ہے جو کسی دوسرے حکمران یا فاتح پر صادق نہ آ سکے۔ رہی کلکی اوتار کی بعض خوبیاں اور حکمت، تواضع، شجاعت وغیرہ جیسے اوصاف، تو یہ کسی پر بھی منطبق کیے جا سکتے ہیں۔ ان کی بنیاد پر قطعاً کوئی حتمی بات

نہیں کہی جا سکتی۔

خلاصۂ کلام

اس تجزیے کی رو سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلکی اوتار کی پیشین گوئی کا مصدق قرار دینا محض تکلف ہے۔ اس کے لیے کلکی کے بعض ذاتی احوال کو یکسر صرف نظر کیا جاتا ہے اور سنسکرت الفاظ اور عبارات کے غلط معنی بیان کیے جاتے ہیں۔

اس طرح ہندو مذہبی صحائف کی من مانی تشریح سے دین اسلام کی خدمت کے بجاے، ہماری دعوت کو نقصان پہنچتا ہے۔ دین کی دعوت ہر حال میں محکم بنیادوں پر استوار رہنی چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

(۳)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بھبوت تن پہ جو قیصری جانے

حضرت سلمان فارسی گدھے پر بیٹھ کر مدائن کا گشت کرتے تو ان کی حالت دیکھنے والی ہوتی، کبھی انھوں نے گھٹنوں تک چڑھی ہوئی شلوار (shorts) پر جبہ پہنا۔ عمر اور لوگ آوازیں لگا رہے ہوتے: کرک آمد، کرک آمد۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ اس کا مطلب ہے: گڈا آ گیا۔ کبھی انھوں نے پاؤں تک لمبا کرتا پہنا ہوتا جو دامن تنگ ہونے کی وجہ سے گھٹنوں تک کھسک آتا اور بچوں نے ان کے پیچھے ٹھٹ لگا یا ہوتا۔ لوگ بچوں کو جھڑکتے تو کہتے: نہ روکو، خیر و شر تو آج کے بعد ہی ہو گا۔ تم مٹی پھانک سکتے ہو تو پھانک لو پر دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بنو۔ مظلوم و مجبور کی بددعا سے بچو، کیونکہ اس کی قبولیت میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

ایک بار حضرت سلمان فارسی اس ہیئت کذائی میں گدھے کو بار برداری کے لیے استعمال کرنے والے شخص کی طرح لگ رہے تھے کہ ایک مسافر شام سے آیا اور اپنا سامان ان کے گدھے پر لاد دیا۔ آس پاس موجود لوگوں نے بتایا کہ یہ ہمارے گورنر ہیں، لیکن حضرت سلمان نے بوجھ اتارنے نہ دیا اور مسافر کو اس کی منزل تک پہنچا کر دم لیا۔ اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک بوڑھے آدمی کا چارہ اٹھا کر اس کے گھر پہنچایا۔

وعظ وارشاد

ایک آدمی نے نصیحت کرنے کو کہا تو حضرت سلمان فارسی نے فرمایا: انسان کے لیے گفتگو کیے بغیر چارہ نہیں، لیکن جب بولو، حق بات کہو یا خاموش رہو، غصہ نہ کرو، لیکن جب غصہ آئے تو زبان اور ہاتھ پر قابو رکھو۔ زندگی میں لوگوں سے ملنا جلنا لازمی ہے، جب ملو جلو تو سچ بات کہو اور امانت داری سے کام لو۔

بنو عبس کے ایک شخص نے حضرت سلمان کے ساتھ سفر کیا، دریاے دجلہ کے پاس سے گزرے تو انھوں نے اسے پانی پینے کو کہا۔ وہ پانی پی چکا تو کہا: اور پیو۔ اس نے دوبارہ پیا تو پوچھا: تمھارے پینے سے دجلہ کے پانی میں کوئی کمی آئی؟ علم کا معاملہ بھی یہی ہے، کبھی ختم نہیں ہوتا۔ حاصل کر لو جتنا تمھیں نفع دے (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۸۱۸۔ حلیۃ الاولیاء ۶۰۵)۔

حضرت سلمان فارسی نے اپنے شاگرد خاص ابوعثمان نہدی کو نصیحت کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اگر ہو سکے تو بازار جانے والے پہلے اور وہاں سے نکلنے والے آخری شخص نہ بنو، کیونکہ وہیں شیطان معرکے گرم کرتا ہے اور اپنا جھنڈا گاڑتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ شیطان بازار ہی میں انڈے بچے دیتا ہے (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۸۲۰۔ المعجم الکبیر، مسند بزار، رقم ۲۵۴۱)۔

ابووائل حضرت سلمان فارسی سے ملنے آئے تو انھوں نے روٹی اور نمک (گوشت: طبرانی) کھانے کے لیے پیش کیے اور کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان کے لیے تکلفاً وہ کھانا دینے سے منع نہ کیا ہوتا جو اپنے پاس نہ ہو تو میں ضرور تکلف کرتا (احمد، رقم ۲۳۷۳۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۷۱۴۷۔ مسند بزار، رقم ۲۵۱۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۶۰۸۵)۔ طبرانی کی روایت میں اضافہ ہے کہ ایک مہمان نے پودینے کی فرمایش کی تو حضرت سلمان نے اپنا لوٹا رہن رکھ کر پودینہ منگوایا اور مہمان سے کہا: اگر تو اللہ کے عطا کیے ہوئے رزق پر قناعت کرتا تو میرا لوٹا رہن نہ ہوتا۔

حضرت سلمان فارسی کی کچھ خاص باتیں

حضرت سلمان فارسی کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا جو بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، آیت سجدہ پڑھی تو سجدے میں گر گئے۔ حضرت سلمان کو سجدہ کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے جواب دیا: ہم قرآن کی تلاوت سننے نہیں آئے تھے، اس لیے سجدہ نہیں کریں گے (بخاری: کتاب سجود القرآن۔ مصنف عبدالرزاق، رقم ۵۹۰۹)۔ اس سے ملتے جلتے واقعات سعید بن مسیب اور حضرت عمران بن حصین کے بارے میں بھی نقل کیے گئے ہیں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

(مصنف عبد الرزاق، رقم ۵۹۰۶، ۵۹۱۰)۔ ان حضرات کے عمل کی تائید حضرت عثمان کے اس قول سے ہوتی ہے: سجدہ ان لوگوں پر واجب ہوتا ہے جو قرآن مجید کی سماعت پر متوجہ ہوں، آیت سجدہ محض کان میں پڑنے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں آتا (بخاری: کتاب سجود القرآن)۔ انور شاہ کشمیری نے حضرت سلمان فارسی کے اس واقعے کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: حضرت سلمان فجر کی نماز پڑھ کر اٹھے تھے کہ ایک واعظ نے وعظ کرنا شروع کر دیا، ان کا ارادہ وعظ سننے کا نہیں تھا۔ جب اس نے آیت سجدہ تلاوت کی اور حضرت سلمان کو بیٹھ کر سجدہ کر لینے کو کہا تو انھوں نے جواب دیا: ہم اس غرض کے لیے نہیں، بلکہ نماز پڑھنے آئے تھے۔ انور شاہ کہتے ہیں: سجدۂ تلاوت آیت سجدہ کے محض سماع سے لازم نہ آتا ہو تو بھی کر لینا مستحب ہے (فیض الباری ۵۲۶/۲)۔

ایک مجلس میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا، حضرت سلمان کی باری آئی تو انھوں نے کہا: میں آدم کا بیٹا، سلمان بن اسلام ہوں۔ ایک دوسرے موقع پر حضرت عمر نے حضرت سعد کو اپنا نسب بیان کرنے کو کہا تو انھوں نے پس و پیش کی کہ امیر المومنین اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن حضرت عمر نے اصرار کر کے ان کا نسب سنا۔ حضرت سلمان فارسی نے یہاں بھی سلمان بن اسلام کہہ کر اپنی نسبت اسلام کی طرف کی۔ حضرت عمر کو ان کی یہ بات اس قدر بھائی کہ فرمایا: میرا باپ خطاب زمانۂ جاہلیت میں معزز شمار ہوتا تھا، لیکن میں بھی عمر بن اسلام کہلوا کر سلمان بن اسلام کا بھائی بنتا ہوں (مصنف عبد الرزاق، رقم ۲۰۹۴۲)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حضرت سلمان فارسی اس بات کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کے روز اہل جنت کو اپنا دیدار کرائیں گے۔

حضرت سلمان فارسی مدائن میں ایک جنگ کی قیادت کر رہے تھے۔ خچر پر ایک شخص کے پیچھے سوار تھے اور جنگ کا علم ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ سپاہیوں نے کہا: امیر، علم ہمیں اٹھانے دیں۔ جواب دیا: مجھے اس کے اٹھانے کا زیادہ حق ہے۔ جنگ کے خاتمے تک انھوں نے پرچم اٹھائے رکھا۔

حضرت سلمان فارسی کی وفات کے بعد حضرت عبد اللہ بن سلام نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: کیسے ہیں ابو عبد اللہ؟ کہا: خیر سے ہوں۔ پھر سوال کیا: آپ نے کس عمل کو بہترین پایا؟ جواب دیا: توکل کو، کیا عجیب شے ہے (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۸۰۲۔ حلیۃ الاولیاء ۶۵۵)۔

حضرت سلمان فارسی مدائن کی ایک سڑک پر پیدل جا رہے تھے کہ انھیں ایک اونٹ نے دھکا دے دیا جس پر بانس لدے ہوئے تھے۔ وہ پلٹ کر اسے ہانکنے والے شخص کے پاس آئے اور اس کا بازو جھنجوڑ کر کہا: تو اس وقت تک دنیا سے رخصت نہ ہو جب تک نوجوانوں کا اقتدار نہ دیکھ لے۔

شیعہ اور حضرت سلمان فارسی

شیعہ حضرت سلمان فارسی کو خلیفۂ چہارم حضرت علی المرتضٰی کا خاص صاحب اور مولا (آزاد کردہ) شمار کرتے ہیں۔ ایک اثنا عشری مؤرخ کا کہنا ہے: آپ اسلام کی روح پانا چاہتے ہیں تو مدینہ کے مال داروں میں نہیں، بلکہ علی، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، عمار اور بلال جیسے غربا میں ڈھونڈیں۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کو غلامی سے آزاد کرا کر ان کی موالات حضرت علی اور اہل بیت کو سونپ دی تھی (طبقات المحدثین باصبہان ۱/۲۲۶)۔ آپ نے حضرت سلمان فارسی کی مواخات حضرت ابوذر غفاری سے طے فرمائی تھی (اصول الکافی، کلینی ۸/۱۶۲)۔

حضرت سلمان فارسی نے حضرت عمر سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔ انھوں نے انکار کر دیا تو کہا: میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ کے دل سے حمیت جاہلی ختم ہو گئی ہے۔ حضرت ابو الدرداء اور حضرت سلمان فارسی بنولیث کی ایک عورت کا رشتہ مانگنے گئے۔ حضرت سلمان کی سبقت الی الاسلام اور ان کے فضائل جاننے کے باوجود انھوں نے ان کو رشتہ نہ دیا، بلکہ حضرت ابو الدرداء سے اپنی بیٹی بیاہ دی۔ اس کے بعد حضرت سلمان نے بنوکندہ کی خاتون بقیرہ سے شادی کر لی۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر کا انتخاب ہونے کے بعد حضرت سلمان فارسی نے کہا: اگر یہ علی کی بیعت کر لیتے تو آسمانوں اور زمین سے خوب کھاتے پیتے (انساب الاشراف، بلاذری ۱/۵۹۱)۔ انھوں نے مزید تبصرہ کیا: تم نے فیصلہ تو خوب کیا، لیکن معدن چننے میں غلطی کی (عبداللہ بن سبا، العسکری ۱/۱۴۳)۔ اس ضمن میں ان کا یہ مقولہ مشہور ہوا: کردید و نہ کردید، تم نے ایک کام کر کے نہ کرنے والی بات کی ہے۔ ابن ابی حدید کا کہنا ہے کہ سقیفہ کی رات حضرت مقداد، حضرت سلمان، حضرت ابوذر، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو الہیثم بن التیہان اور حضرت عمار مہاجرین کی شوریٰ دوبارہ منعقد کرانے کے لیے جمع ہوئے (شرح نہج البلاغۃ، ابن ابی حدید ۱/۲۱۹)۔ شیعہ محدث ابن شہر آشوب کا کہنا ہے کہ جب حضرت عمر نے حضرت سلمان فارسی کو مدائن کا گورنر مقرر کیا تو انھوں نے حضرت علی سے منظوری لینے کے بعد ہی یہ تقرری قبول کی اور پھر اپنی وفات تک وہیں مقیم رہے (الدرجات الرفیعۃ فی طبقات الشیعۃ، المدنی ۲۱۵)۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی نے حضرت سلمان کی میت کو خود غسل دے کر کفن پہنایا اور تدفین کی۔ اس غرض کے لیے وہ مدینہ سے مدائن پہنچے، یہ ان کی ایک کرامت تھی (بحار الانوار، مجلسی ۲۲/۳۸۰)۔

سورۂ نحل میں مذکور بشر کون؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: 'وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ'، ''ہم جانتے ہیں کہ یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک آدمی (قرآن کی) تعلیم دیتا ہے۔ جس شخص کے بارے میں یہ باطل بات کہہ رہے ہیں، اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) واضح عربی زبان ہے'' (۱۶: ۱۰۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ مکہ کا ایک رومی لوہار بلعام یا بلعان قریش کا غلام تھا اور کچھ انجیل بھی جانتا تھا۔ مشرکوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پاس آتے جاتے دیکھا تو یہ بات پھیلا دی کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ اللہ نے جواب فرمایا کہ تم فصاحت و بلاغت کے مدعی ہو کر قرآن کے مثل کلام پیش نہیں کر سکے تو وہ عجمی کیا تلقین کلام کرے گا جو عربی کی کچھ شد بد ہی رکھتا ہے؟ سدی اور ابن اسحٰق نے عجمی بشر کا مصداق فاکہ بن مغیرہ مخزومی یا عامر بن الحضرمی کے عیسائی غلام، جبر (یا یحنس) کو ٹھیرایا ہے جو تورات و انجیل پڑھ لیتا تھا۔ وہ مسلمان ہو چکا تھا اور صفا و مروہ کے پاس دکان لگاتا تھا، قریش جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تو آپ اس کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ عکرمہ، قتادہ اور فراء کہتے ہیں: قرآن کے بشر مذکور کا نام عایش یا یعیش تھا، وہ بنو الحضرمی یا حویطب بن عبد العزیٰ کا غلام تھا اور اسلام قبول کر چکا تھا۔ مقاتل نے مکہ کی ایک عورت کے یہودی غلام یسار کا نام لیا ہے اور ابو فکیہہ اس کی کنیت بتائی ہے۔ ایک نصرانی ابو میسرہ کا نام بھی لیا گیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں: یسار اور جبر عین التمر کے نصرانی تھے، مکہ میں تلوار سازی کرتے ہوئے انجیل کی تلاوت کرتے تھے۔ ایک بار وہ اپنے کام میں مشغول انجیل پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے اور کھڑے ہو کر ان کی تلاوت سننے لگے، تب مشرکوں نے یہ بات بنا لی۔ مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں: قرآن کو ان کے نام سے بحث نہیں، صرف اعتراض سے بحث ہے اور اسی کا اس نے جواب دیا ہے (تدبر قرآن، تفسیر سورۂ نحل)۔

ضحاک بن مزاحم نے اس فہرست میں حضرت سلمان فارسی کے نام کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی روایت سے دور حاضر کے ایک منحرف Miles Augustus Navarr نے خوب فائدہ اٹھایا۔ ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد وہ تشکیک (skepticism) کی راہوں پر چلا تو معترض ہوا کہ یہودیوں کا Yahweh (یا Jehovah) اور مسلمانوں کا اللہ اپنے منتخب فرستادوں کے ذریعے سے اپنی ہی مخلوق کا محض اسے لیے کشت و خون کرا دیتا ہے کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے معبود چھوڑنے کو تیار نہیں۔ یہ ادعا کرنے کے بعد کہ اسلام نیا مذہب

نہیں، بلکہ اس میں گذشتہ مذاہب کی جزئیات کو جمع کر لیا ہے، اس نے بزعم خود یہ فیصلہ کر لیا کہ نماز پنج گانہ زرتشتی مذہب سے، خداے واحد و بالا دست، اس کی تخلیق کا بیانیہ اور انسانوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجنے کا تصور عہد نامہ قدیم (تورات، نبییم اور کتبییم) سے اور جنت و دوزخ کے عقیدے مسیحیت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس نے قرآن مجید اور گزشتہ الہامی کتابوں میں مماثلت ڈھونڈ کر یہ نتیجہ بھی نکالا کہ قرآن حکیم عہد نامہ قدیم (Old Testament) سے خوشہ چینی کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ اس باطل خیال کی تائید کے لیے اسے ضحاک کی یہ پامال روایت خوب بھائی اور اس نے اگست ۲۰۱۲ء میں امریکا سے چھپنے والی اپنی کتاب "Forbidden Theology: Origin of Scriptural God" میں لکھا کہ حضرت سلمان یہودیت، عیسائیت اور زرتشتی مذاہب کا گہرا علم رکھتے تھے جو انھوں نے ۵۸۷ء سے ۵۹۷ء تک کے دس سال شام کے کنیسا میں اور ۵۹۷ء سے ۶۱۷ء تک کے بیس سال موصل، نصیبین اور عموریہ کے گرجا گھروں میں رہ کر حاصل کیا۔ ۶۲۲ء میں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے، تب یہی علم تدوین اسلام میں کام آیا۔

طلوع اسلام سے قبل مکہ کے موحدین زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، عثمان بن حویرث اور عبیداللہ بن جحش نے قریش کو کسی میلے میں بتوں کے نام پر قربانی کرتے دیکھا تو آپس میں مشورہ کیا: انھوں نے تو بت پرستی اختیار کر کے دین ابراہیم ترک کر دیا ہے، ہم جستجو کر کے دین حنیفیت پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ سفر پر نکلے اور یہود و نصاریٰ کے علما سے ملے، ورقہ نے نصرانیت اختیار کر لی، جب کہ زید بن عمرو دین ابراہیم پر پختہ ہو گئے (سیرۃ ابن اسحٰق، حدیث بنیان الکعبۃ)۔ یہ روایت بیان کرنے کے بعد Navarr لکھتا ہے: مکہ کے بت پرستوں نے ان چاروں توحید پرستوں کو ہراساں کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے یہ شہر سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ زید بن عمرو نے غار حرا میں پناہ ڈھونڈی۔ اسی غار میں ان کی ملاقات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی اور انھوں نے اپنے دینی رجحانات و خیالات آپ تک منتقل کیے۔ ورقہ کا سن وفات بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ۶۰۵ء ہے۔ اس موقع پر Miles Augustus Navarr نے اسماعیلیوں کی یہ روایت کہ حضرت سلمان فارسی ۶۱۰ء ہی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست بن چکے تھے جب آپ کو نبوت ملی تھی، چسپاں کر کے یہ نتیجہ نکال لیا کہ حضرت سلمان ان حنیفیوں کے گروپ کے پانچویں رکن بن گئے تھے۔ آپ امی (illiterate) تھے، آپ کے اصحاب میں سلمان فارسی ہی واحد شخص تھے جو پچھلی الہامی کتابوں کا گہرا مطالعہ کر چکے تھے، اس

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

لیے ممکن ہے کہ انھوں نے آیات لکھ لکھ کر آپ کو دی ہوں۔ اس بعید از عقل خیال کی تائید میں اس نے ایک اور روایت پیش کی: حضرت علی ایک بار اپنے ساتھیوں سے خوش طبعی میں مصروف تھے۔ حاضرین نے کہا: ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور اپنے رفقا کے بارے میں کچھ بتائیے۔ ان کے استفسار پر حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت حذیفہ بن یمان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تو انھوں نے حضرت سلمان فارسی کے بارے میں سوال کیا: حضرت علی نے جواب دیا: تمھارے ہاں کون ہے جو حکیم لقمان سے مماثلت رکھتا ہے؟ سلمان ہم میں سے تھے اور اہل بیت سے منسوب تھے، انھوں نے پہلا علم اور آخری علم حاصل کیا، پہلی کتاب (انجیل) اور آخری کتاب (قرآن مجید) کا مطالعہ کیا، وہ ایک سمندر تھے جس کی تہ کو نہیں پایا جا سکتا (تاریخ دمشق: سلمان بن الاسلام)۔

Navarr کو علم تھا کہ ضحاک کی روایت کو تمام اہل علم نے یک زبان ہوتے ہوئے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ جس وقت مشرکین مکہ نے یہ لغو اعتراض کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب اترا، اس وقت حضرت سلمان فارسی فارس اور شام میں راہ حق کے سفر پر نکلے ہوئے تھے اور انھوں نے سرزمین حجاز میں قدم ہی نہ رکھا تھا۔ اس کا حل بھی اس نے خوب نکالا، یہ کہتے ہوئے کہ یہ قدیم کتب مسلم عرب مؤرخین کی لکھی ہوئی ہیں، تاریخ میں اجتہاد کر کے خود ہی طے کر دیا کہ ان کا شام کا سفر حق بیس نہیں، بلکہ دس سالوں پر محیط ہو گا اور وہ ۶۱۷ء میں نہیں، بلکہ ۶۰۷ء ہی میں مکہ پہنچ گئے ہوں گے۔ اس طرح اپنی گھڑی ہوئی کہانی کو سچ ثابت کر دکھایا۔ تاریخ مسخ کر کے اپنے بے اصل مزعومات ثابت کرنے کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔

Navarr نے یہ بے بنیاد دعویٰ بھی کیا کہ حضرت سلمان فارسی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منظر عام سے غائب ہو گئے۔ پچیس سال گم نامی کی زندگی گزارنے کے بعد ۳۵ھ (۶۵۶ء) میں خلیفۂ چہارم حضرت علی نے زمام خلافت سنبھالی تو ان کے پہلے اقدامات میں سے ایک حضرت سلمان فارسی کو مدائن کا گورنر مقرر کرنا تھا۔ مدائن پہنچنے کے تین ماہ بعد ان کا اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

ترجمۂ قرآن

کچھ ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسی سے درخواست کی کہ انھیں قرآن مجید لکھ کر دیں تو انھوں نے سورۂ فاتحہ کا فارسی ترجمہ تحریر کیا۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ حدیث نبوی کا بھی غیر عربی زبانوں میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے اور عجمی زبانوں میں تسبیح کی جا سکتی ہے (المجموع شرح المہذب، نووی ۳/ ۳۸۰)۔

روایت حدیث

بخاری میں چار اور مسلم میں تین احادیث ان سے مروی ہیں۔

شاید ایک زمانہ مذہب عیسوی سے وابستہ رہنا اس بات کا باعث بنا کہ حضرت سلمان فارسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے متعلق روایتیں خاص طور پر نقل کیں۔

حضرت سلمان فارسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ سے براہ راست سماع کر کے امت تک منتقل کیے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ام الدرداء، اسود بن یزید، شرحبیل بن سمط، ابو قرہ سلمہ بن معاویہ، عبد الرحمٰن بن یزید، ابو عمرو زاذان، ابو ظبیان، جندب ازدی، سعید بن وہب، طارق بن شہاب، ابو لیلیٰ کندی، ان کی اہلیہ بقیرہ اور قرثع ضبی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت سلمان فارسی کی چند مرویات

مشرکین نے طنز کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی سے پوچھا: تمھارے نبی نے تمھیں ہر چیز سکھائی ہے، حتیٰ کہ قضائے حاجت کرنا بھی بتا دیا۔ حضرت سلمان نے فخریہ کہا: ہاں، آپ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ ہم پیشاب، پاخانہ کرتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کریں، داہنے ہاتھ سے استنجا کریں، تین روڑوں سے کم یا ہڈی یا گوبر سے پاکی حاصل کریں (مسلم، رقم ۵۲۷۔ ابو داؤد، رقم ۷۔ ترمذی، رقم ۱۶۔ نسائی، رقم ۴۱۔ ابن ماجہ، رقم ۳۱۶۔ احمد، رقم ۲۳۷۰۵۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۵۰۲۔ مسند بزار، رقم ۲۵۰۲)۔ طیبی کہتے ہیں: حضرت سلمان فارسی نے مشرکوں کے استہزا سے صرف نظر کرتے ہوئے بڑی دانائی اور سنجیدگی سے دین فطرت میں طہارت کی اہمیت کو بیان کر دیا۔

حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں: میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے پہلے وضو کرنے میں برکت ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اصل برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کیا جائے (ابو داؤد، رقم ۳۷۶۱۔ ترمذی، رقم ۱۸۴۶۔ احمد، رقم ۲۳۷۳۲۔ مسند بزار، رقم ۲۵۱۹۔ مسند الطیالسی، رقم ۶۹۰)۔ علماے رجال کی اکثریت نے اس حدیث کے راوی قیس بن ربیع پر نقد کیا ہے۔ شمس الحق عظیم آبادی کہتے ہیں: سنن ابو داؤد کے زیادہ تر نسخوں میں یہ باب موجود نہیں۔ یہاں وضو سے ہاتھوں کا یا ہاتھوں اور

منہ دونوں کا دھونا مراد ہے، گویا وضو کے ایک جزو پر وضو کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے سے نظافت حاصل ہوتی ہے، تاہم اکثر علما اسے شرعاً لازم قرار نہیں دیتے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر ہاتھ دھوئے کھانا تناول فرمانا بھی ثابت ہے۔

حضرت سلمان فارسی ایک دعوت طعام میں شریک تھے۔ انھیں اور کھانے کو کہا گیا تو فرمایا: میں سیر ہو چکا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: دنیا میں خوب پیٹ بھر کر کھانے والے لوگوں کو روز قیامت لمبی بھوکیں دیکھنا ہوں گی (ابن ماجہ، رقم ۳۳۵۱۔ مسند بزار، رقم ۲۴۹۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۶۰۸۷۔ حلیۃ الاولیاء ۶۲۶)۔

فرامین رسول سے استنباط

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں: میں اور حضرت سلمان فارسی ایک درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ انھوں نے ایک خشک ٹہنی پکڑی اور اسے اچھی طرح ہلایا، حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑ گئے۔ پھر فرمایا: تمھارے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی طرح ایک درخت کے سائے میں کھڑا تھا، آپ نے ایک خشک شاخ تھامی اور اسے خوب ہلا کر پتے جھاڑ دیے پھر فرمایا: سلمان، تم پوچھو گے نہیں کہ میں نے یہ کیوں کیا؟ میں نے سوال کیا: آپ کا منشا کیا تھا؟ فرمایا: جب ایک مسلمان خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز پنج گانہ ادا کرتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جیسے یہ پتے جھڑے۔ آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: 'وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ'، ''نماز دن کے آخر اور شروع میں اور رات کی کچھ گھڑیوں میں قائم کرو، بلاشبہ نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں، یہ قرآن نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے یاددہانی ہے'' (ہود ۱۱: ۱۱۴)۔ (احمد، رقم ۲۳۷۰۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱-۷۔ مسند طیالسی، رقم ۶۵۲)۔

عہد علوی میں ایک بار حضرت سلمان فارسی کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج نے ایک ایرانی قلعہ کا محاصرہ کیا۔ سپاہیوں نے کہا: ابو عبداللہ (حضرت سلمان کی کنیت) ہم ان پر فوراً حملہ نہ کر دیں؟ انھوں نے کہا: ٹھیرو، میں انھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسی طرح جیسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو دعوت دیتے ہوئے سنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان کے قریب جا کر فارسی زبان میں آواز دی: میں تمھاری طرح ملک فارس کا ہوں، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ عجمی ہونے کے باوجود عرب میری کمان میں ہیں۔ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تمھیں

وہی حقوق مل جائیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تمھارے فرائض وہی ہوں گے جو ہمارے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ اگر تم اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں تمھاری حالت پر چھوڑ دیں گے، لیکن تم کو مطیع ہو کر جزیہ دینا ہو گا۔ اگر تم ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں مانتے تو ہم تم سے برابر کھلی جنگ کریں گے۔ انھوں نے جواب دیا: ہم جزیہ دینے والے نہیں، بلکہ میدان جنگ میں تمھارا مقابلہ کریں گے۔ حضرت سلمان فارسی کی فوج نے کہا: ابوعبداللہ، ہم ان پر ابھی یلغار نہ کر دیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، انھوں نے تین دن تک ان کو اسی طرح اسلام کی دعوت دی، پھر فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور چوتھے دن فتح پائی (احمد، رقم ۲۳۷۳۴۔ مسند بزار، رقم ۲۵۴۵۔ حلیۃ الاولیاء ۲۰۷)۔

حضرت سلمان فارسی کی طرح کچھ اور اہل علم صحابہ کی بھی یہی رائے ہے کہ قتال سے پہلے کافروں کو تین دن دعوت ایمان دی جائے، عمر بن عبدالعزیز اور امام شافعی اسے واجب سمجھتے ہیں۔ دیگر علما کا خیال ہے کہ اس دور میں دعوت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اسلام کا پیغام ان تک پہنچ چکا ہے، امام احمد بن حنبل اس مسلک کے حامل ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ترکی کے حجام

ایک روایت کے مطابق حضرت سلمان فارسی رسول اللہ کے حجام بھی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترکی کے کئی حجاموں نے اپنی دکانوں میں اس تحریر پر مشتمل کتبے آویزاں کیے ہوتے ہیں: ہر صبح ہماری دکان اللہ کے نام (بسم اللہ) سے کھلتی ہے اور حضرت سلمان ہمارے پیر اور آقا ہیں۔

مطالعہ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، دلائل النبوۃ (بیہقی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، راہ حق کے دو مسافر (محمد یوسف اصلاحی)، اردو دائرہ معارف اسلامیہ (مضمون نگار: مرتضیٰ حسین فاضل)، Forbidden Theology: Origin of Scriptural God (Miles Augustus Navarr)، ویکیبیدیا الموسوعۃ الحرۃ، Wikipedia، ویکی شیعہ۔

محمد تہامی بشر علوی

ایمان کا مرحلہ

آخر کیا وجہ ہے کہ ایک راست باز انسان کا دل اس خدا کے سامنے جھک نہ جائے جسے وہ اپنے خالق کی حیثیت سے جان چکا ہے۔ یہ خدا کا جاننا اسے اُس خدا کو ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس ہستی کو دل و جان سے مکمل مان لے جس نے اُسے اور اُس کے باپ دادا کو بے قیمت شے سے پیدا کر کے بہت باوقعت انسان بنا دیا۔

خالق کو یوں دل کی گہرائیوں سے مان لینے والے لوگ مومن کہلاتے ہیں۔ اس خالق نے اپنے بارے میں جو کچھ بھی بتایا، یہ لوگ اس سب کو دل سے مان چکے ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان خالق پر بھی ہوتا ہے اور اس کی صفات و افعال پر بھی۔ خالق نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کی خبر دی ہو تو انھیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ یہ خالق کے بتانے پر موت کے بعد والی زندگی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے لیے عمل میں جُت جاتے ہیں۔ خالق بتاتا ہے کہ کراماً کاتبین ہر انسان کے علم و عمل کا مکمل ریکارڈ تیار کر رہے ہیں، جو قیامت کے روز ہر انسان کے روبرو کر دیا جائے گا۔ مومنین خدا کے کہنے پر ان فرشتوں پر ایمان لے آتے ہیں اور قیامت کی پیشی کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ خدا انھیں آگاہ کرتا ہے کہ خدا نے مرنے کے بعد جی اٹھائے جانے اور قیامت کی پیشی کی خبر آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کے سارے انسانوں تک انبیا کے ذریعے سے پہنچائی ہے۔

خدا نے اس خبر کو کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں بھی پہنچایا اور کبھی زبانی بھی۔ خدا کا نمایندہ جبریل علیہ السلام آ آ کر خدا کا پیغام انبیا کو سناتا رہا اور انبیا انسانوں کو اس پیغام سے آگاہ کرتے رہے۔ مومنین خدا کی اس خبر کو بھی دل و جان سے مانتے اور تصدیق کر لیتے ہیں۔ خدا نے اپنے بارے میں آدم علیہ السلام و اولاد آدم کو بھیجی گئی ہدایت اور اس کے لیے اختیار کیے گئے طریقے کے بارے میں اور مرنے کے بعد کے مختلف مراحل کے بارے میں جو جو ضروری خبریں دی ہیں، مومنین ان ساری خبروں کو پردۂ غیب میں ہونے کے باوجود یقین سے مان لیتے

ہیں۔ انھیں یقین ہوتا ہے کہ وہ ہستی جس نے اپنی علم و قدرت سے جہان کو خلق کیا، اس کے کہے میں کسی شک کی کوئی مجال نہیں ہو سکتی۔ بس یہ جان لینا کافی ہے کہ خدا کا کہا فی الواقع کیا ہے؟ اتنا جاننے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس کا کہا سراسر سچ ہے، سراسر درست ہے اور سراسر حق ہے۔ مومنین کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بن دیکھے ایمان لانے والے ہوتے ہیں:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. (البقرہ ۲:۳)

"جو بن دیکھے مان رہے ہیں اور نماز کا اہتمام کر رہے ہیں اور جو کچھ ہم نے اِنھیں دیا ہے، اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کر رہے ہیں۔"

"اصل الفاظ ہیں: 'يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'۔ اِن میں 'ب' ہمارے نزدیک ظرفیت کے لیے ہے، یعنی وہ غیب میں ہوتے ہوئے ایمان لاتے ہیں۔ غیب میں ہوتے ہوئے ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ محض محسوسات کے غلام اور مادیات کے پرستار نہیں ہیں، بلکہ ایک عقلی اور روحانی ہستی ہیں، لہٰذا ہر چیز کو دیکھ کر ماننے کے لیے مصر نہیں ہوتے۔ وہ اپنا سفر عقل کی رہنمائی میں طے کرتے ہیں اور جو باتیں عقل سے ثابت ہوتی ہیں یا اُن کی فطرت جن باتوں کی شہادت دیتی ہے، اُنھیں وہ تسلیم کرتے ہیں اور اُن کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنی محسوس اور مادی لذتوں کو ہر لحظہ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

ہم نے جس مدعا کو نماز کا اہتمام کرنے سے ادا کیا ہے، اُس کے لیے اصل میں اقامت صلٰوۃ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ اِس کے معنی عربی زبان میں نماز کی حفاظت کرنے اور اُس پر قائم رہنے کے ہیں۔ نماز اہل عرب کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ دین ابراہیمی کی ایک روایت کی حیثیت سے وہ اُس کے اعمال و اذکار سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے، بلکہ اُن کے صالحین اِس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اِس کی کوئی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ نماز کے ساتھ یہاں انفاق کا ذکر بھی ہوا ہے۔ قرآن کی رو سے یہ بنیادی نیکیاں ہیں۔"

(البیان، جاوید احمد غامدی ۱/ ۲۷-۲۸)

انجیل متی میں سیدنا مسیح علیہ السلام نے بھی ذرا مختلف اسلوب میں یہی بات فرمائی ہے:

"اور اُن میں سے ایک عالم شرع نے آزمانے کے لیے اُس سے پوچھا: اے استاد، توریت میں کون سا حکم بڑا ہے؟ اُس نے اُس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اِس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ اِنھی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں کا مدار ہے۔" (۲۲: ۳۵-۴۰)

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810